تزکیۃ النفوس

تالیف

علامہ ابن رجب حنبلیؒ
علامہ ابن القیم الجوزیؒ
ابو حامد الامام الغزالیؒ

تصحیح و تقدیم

مختار احمد ندوی

الدار السلفیہ
ممبئی، دہلی

قد افلح من زکھا وقد خاب من دسھا

بیشک جس نے اپنے نفس کو پاک کیا وہ کامیاب ہوا

اور جس نے اسے خاک میں ملایا وہ نقصان میں رہا

اردو تر

تزکیۃ النفوس

تالیف

علامہ ابن رجب حنبلیؒ

علامہ ابن القیم الجوزیؒ

ابو حامد الامام الغزالیؒ



ترجمہ

مولانا محبوب احمد قمر الزماں اعظمی

تقدیم وتصحیح

مختار احمد ندوی

ناشر

الدار السلفیہ

ممبئی، دہلی

سلسلہ مطبوعات الدار السّلفیہ نمبر ۱۵۴

نام کتاب : تزکیۃ النفوس

تالیف : علامہ ابن رجب حنبلیؒ علامہ ابن القیم الجوزیؒ
ابو حامد الامام الغزالیؒ

ترجمہ : مولانا محبوب احمد قمر الزماں اعظمی

تقدیم و تصحیح : مختار احمد ندوی

طابع : اکرم مختار

ناشر : الدار السّلفیہ

مطبع : بھاوے پرائیویٹ لیمیٹیڈ ممبئی

تعداد اشاعت بار اول : ایک ہزار

تاریخ اشاعت : اکتوبر ۱۹۹۹ء

قیمت : ۵۰ روپئے

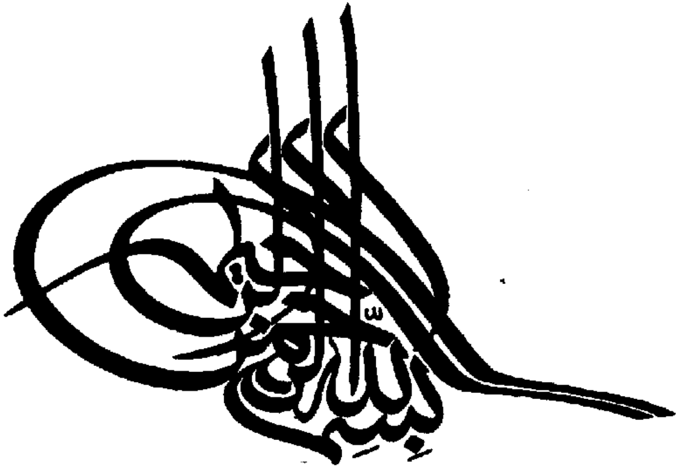
ملنے کے پتے

دار المعارف

دہلی
۲۶۸۴/بی گلی مسجد کالے خان،
کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی۔ ۲
فون: ۳۲۷۷۲۵۳

ممبئی
۱۳، محمد علی بلڈنگ، محمد علی روڈ،
بھنڈی بازار، ممبئی۔ ۳
فون: ۳۷۱۶۲۸۸

فہرست عنوانات





عرض ناشر

زیر نظر کتاب "تزکیۃ النفوس" جو دنیاء اسلام کے تین معروف ثقہ اور جلیل القدر مشائخ اسلام کے علمی اور روحانی افادات کا مجموعہ ہے۔ جو اپنے علمی اور شخصی قدر و منزلت کے اعتبار سے اسلامی تاریخ میں مجدد اور روحانی مصلح اور داعی الی اللہ کا مقام رکھتے ہیں یعنی علامہ ابن رجب حنبلی علامہ ابن القیم الجوزی ابو حامد الامام الغزالی رحمہم اللہ جن کے علم و فضل اور صلاح و تقویٰ پر امت اسلامیہ کا اتفاق ہے۔ ان کے افادات علمیہ کا یہ مجموعہ "تزکیۃ النفوس"۔ اصلاح اور تربیت نفس کے موضوع پر بڑی مفید اور مؤثر کتاب ہے، جس کو پڑھنے سے معرفت الٰہی کے دروازے کھل جاتے ہیں انسان کا مریض نفس ایمانی صحت و سلامتی سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ اور تجلیات ربانی سے فیضیاب ہوتا ہے "تزکیۃ النفوس" پیغمبرانہ عمل ہے، جس میں کلام الٰہی کی تلاوت، نفس کی صفائی، توبہ و استغفار گناہوں سے کنارہ کشی، رزق حلال کا حصول، فرائض کی پابندی، حسن نیت، حسن عمل، اخلاص، للّٰہیت، قلب سلیم کا وظیفہ عمل، دل کی شہنشاہیت کا بیان۔ مردہ قلب کا علاج بیمار دل کی شفاء و صحت کے اسباب، دل کے لئے مہلک بیماریوں کی شناخت اور ان کا علاج۔ دلوں کی زندگی کے لئے نفع بخش روحانی غذاؤں کا ذکر۔ ذکر الٰہی اور تلاوت قرآن پاک کی فضیلت، توبہ و استغفار کی حقیقت اور تاثیر، دعا کی اہمیت اور اس کے فضائل تہجد اور نوافل پر مداومت، دنیا سے بے رغبتی اور اس کی حقارت کا بیان، نفس کے احوال اور اسکا محاسبہ، نفس کے اقسام مطمئنہ، لوامہ لمارہ کی شناخت، ساتھ ہی صبر و استقامت کی فضیلت اور روح کی دوسری غذائیں شکر، توکل، اللہ کی محبت قضاء الٰہی پر تسلیم و رضاء، حسن ظن، خوف الٰہی، توبہ اور اس کی حقیقت اور فضیلت، توبہ کے اسرار اور اس کی حکمتیں اور دل و دماغ اور زندگی پر اس کے پاکیزہ اثرات کا تفصیلی ذکر اس کتاب میں بڑی مرتب، مدلل اور مناسب ابواب و تعلیقات سے جمع کر دیا گیا ہے۔ کتاب اپنے موضوع پر بڑی اہم اور انتہائی مفید ہے۔

تصوف اور صوفیاء کاذکر عام طور پر اہل توحید اور حاملین کتاب و سنت کے نزدیک قابل لحاظ اور غور و فکر کی چیز ہے۔ چونکہ تصوف کے مدرسے سے، تصور شیخ، توسل بالا ولیاء، خانقاہیت کے غیر مسنون اوراد و وظائف، موضوع اور من گھڑت وظیفوں کا عمل پیر پرستی، قبر پرستی، رسوم وعادات، مراقبات ذکر جلی کی ضرب، عرس، قوالی، قرآن خوانی، ختم خواجگان، نشان، جھنڈا، رقص و سرود، مستی اور بدحالی، جھوٹی کرامت، تعظیم اولیاء کائنات میں انکا تصرف، آثار و تبرکات، فرقہ پرستی، بیعت، اجازت اور نسبت، صوفیاء کے اقسام قطب غوث، ابدال، وغیرہ جیسی غیر اسلامی اور غیر شرعی چیزیں عام ہیں۔ جن کی وجہ سے اہل توحید و سنت ان سے بھڑکتے اور بھاگتے ہیں۔

لیکن زیر نظر کتاب "تزکیۃ النفوس" ان تمام خرافات کا صحیح ترین علاج اور شرک و بدعات کی تردید کے لئے تیر بہدف نسخہ ہے۔ تزکیہ نفس حقیقی معنوں میں آنحضرت ﷺ کا طریق عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو انسانیت کا مزکی بنایا تھا۔ آپ کی نگاہ معرفت سے ایک جہان کو نور توحید اور اصلاح باطن نصیب ہوا۔ شرک و بدعات کی مہلک بیماری کے لئے اس کتاب میں بڑے مجرب اور مسنون نسخے قرآن اور حدیث کی ہدایات اور تعلیمات سے پیش کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب اتنی اہم اور مفید ہے کہ اسے تمام علماء امت کو مطالعہ اور درس میں شامل رکھنا چاہئے۔ مدارس میں اس کا مطالعہ ضروری قرار دینا چاہئے۔

ادارہ الدار السلفیہ نے اس کتاب کا ترجمہ اپنے فاضل مترجم مولانا محبوب احمد ندوی سلمہ اللہ کے سلیس اور رواں قلم سے کرایا ہے۔ جس میں مولانا موصوف نے کتاب کے ترجمے کا حق ادا کردیا ہے۔ چونکہ یہ کتاب موصوف کے طبعی ذوق کی ترجمان تھی اس لئے انھوں نے ترجمے میں بھی ذاتی لطف اٹھایا اور دل کی خوشی اور قلم کی رغبت کے ساتھ اسے ترجمہ کیا ہے۔ جو اس وقت شائقین اور اہل دل اور اہل نظر کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔ امید ہے کہ اس کتاب کو قبول عام حاصل ہوگا۔ اور انشاءاللہ یہ کتاب عوام و خواص کی اصلاح و تربیت کے لئے کیمیائے سعادت ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کتاب کے مؤلفین، محقق، مترجم اور مصحح اور ناشر سب کو اس کی اشاعت پر جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین) والسلام

مختار احمد ندوی

یکم ستمبر ۱۹۹۹ء

مقدمۃ الکتاب

ان الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلاهادی له، ونشهد أن لاإله إلا الله وحده لاشريك له، ونشهد أن محمداً عبده ورسوله صل اللهم عليه وعلى آله وصحبه وسلم.

اما بعد:

تزکیۂ نفس، اس کی اصلاح اور تطہیر ان انتہائی اہم امور میں سے ہے جس کے ساتھ اس امت کے نبی ﷺ اس دنیا میں مبعوث فرمائے گئے؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بعثت کو اس امت پر ایک عظیم احسان کی حیثیت سے ذکر فرمایا ہے، چنانچہ اللہ عزوجل نے فرمایا:-

"هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّنَ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ"۔ (الجمعة: ٢)

"وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں کا ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھلاتا ہے اور اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں مبتلا تھے"۔

جو اللہ کے موجود ہونے اور یوم آخرت کے قائم ہونے پر امید رکھتا ہو اسے خاص طور پر اپنے نفس کے تزکیہ کا اہتمام اور پاس بہت ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندے کی فلاح و کامیابی اس کی تزکیہ نفس، صفائی باطن اور تطہیر قلب پر موقوف اور منحصر فرمایا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشمس میں گیارہ چیزوں کی قسم کھانے کے بعد نفس کے تزکیہ کا ذکر فرمایا ہے، اور ایسے تسلسل آمیز انداز سے پورے قرآن میں کسی جگہ بھی قسم کا ذکر موجود نہیں ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا:-

"وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالْقَمَرِ

"قسم ہے سورج کی اور اس کے دھوپ چڑھنے کی اور چاند کی جب سورج کے پیچھے

اِذَا تَلٰهَا وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا" (الشمس ۱۔۱۰)

آئے اور دن کی جب سورج کو روشن کرے اور رات کی جب اس کو ڈھانک لے اور آسمان کی اور اس کے بنانے کی اور زمین کی اور اسے ہموار کرنے کی اور نفس کی اور اسے درست بنانے کی اور ہر نفس میں اللہ نے اس کی گنہگاری اور نیکوکاری ڈال دیا تو جس نے اس (نفس) کو پاک کیا اس نے نجات پائی اور جس نے اس کو مٹی میں ملادیا وہ ناکام ہوا"

تزکیہ کے لغوی معنی: کسی چیز کو پاک وصاف کرنے کے ہیں۔ مال صدقہ کرنے کو (زکاۃ) اس لئے کہا جاتا ہے کہ اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حق کو نکال کر مال پاک وصاف ہو جاتا ہے۔

اس موضوع پر علمائے قدیم کی کتابوں سے فائدہ حاصل کرنا اور ان کا سمجھنا چونکہ عام لوگوں کیلئے مشکل اور دشوار ہے، اس کی کئی وجوہات ہیں، ایک وجہ یہ کہ اکثر وبیشتر یہ کتابیں ضخیم جلدوں میں موجود ہیں اس لئے ہر عام مسلمان کے لئے اس کی تحصیل بہت مشکل ہے، اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کتابوں کے اندر ضعیف اور موضوع حدیثیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ لیکن الحمد للہ ہم نے اس کتاب میں اس موضوع کی مختلف کتابوں سے صحیح احادیث کے جمع کرنے کا قصد کیا اور ان ہی علمائے عظام کی کتابوں سے باتیں نقل کی ہیں جنہیں اس فن میں کامل مہارت، بصیرت اور دستگاہ حاصل تھی، جیسے امام غزالیؒ، امام ابن قیمؒ اور ابن رجبؒ۔

اور آخر میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتے ہیں کہ اس کتاب کو ناقل، ناشر اور تمام قارئین کے حق میں اس دن فائدہ مند ثابت فرمائے جس دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا، نہ مال اور نہ اولاد، ہاں مگر جو اپنے رب کے پاس پاکیزہ دل کے ساتھ آیا ہو۔

ولله الحمد والمنة وهو مولانا واليه المصير

عمل میں اخلاص پیدا کرنا

اخلاص: اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے بندے کا اپنے ارادہ اور قصد کو تمام آمیزشوں سے پاک کرنا ہے۔

کسی نے اخلاص کی تعریف بایں طور کی ہے کہ عبادتوں میں بندے کا ساری چیزوں کی نفی کر کے اللہ تعالیٰ کا اقرار اور اثبات کرنا ہے۔

اور کسی نے کہا ہے کہ اخلاص بندہ کا خالق کی طرف دوام نظر کر کے مخلوق کی طرف نظر اٹھانے کو بھول جانا ہے۔

عمل صالح کے مقبول ہونے کے لئے سنت کی موافقت کے ساتھ اخلاص اس کے لئے شرط اولین ہے، اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اخلاص پیدا کرنے کا حکم فرمایا ہے، چنانچہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

"وَمَا أُمِرُوٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ" (البينة: ٥) "اور ان کو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی بندگی خالص کر کے اسی کے واسطے کریں یکسو ہو کر۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک صاحب نے حاضر ہو کر سوال کیا کہ یا رسول اللہ: ایک شخص جہاد کرتا ہے اور ثواب اور شہرت دونوں چاہتا ہے اس کے لئے کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے لئے کچھ نہیں، ان صاحب نے تین بار یہی سوال کیا اور آپ نے یہی جواب دیا، پھر آپ نے فرمایا یقیناً اللہ تعالیٰ صرف وہ عمل قبول کرتا ہے جو خالص اسی کے لئے ہو اور جس سے اللہ کی رضا

مطلوب ہو۔ (ابوداؤد، نسائی (۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ وداع کے موقع پر ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ اور شاداب رکھے جس نے میری بات سنی ہو اور پھر اسے اچھی طرح محفوظ کرلی ہو، بہت سے علم کے اٹھانے والے حقیقت میں عالم نہیں ہوتے ہیں، اور تین باتیں ایسی ہیں جن پر کسی بندہ مومن کا دل کینہ اور دشمنی نہیں رکھتا ہے۔ (۱) اللہ کے لئے عمل میں اخلاص کا ہونا، (۲) مسلمان ائمہ کے لئے خیر خواہ ہونا، (۳) اوران کی جماعت کو لازم پکڑنا، (بزار (۲) ابن حبان)

مفہوم حدیث یہ کہ ان تینوں خصلتوں سے قلوب کی اصلاح اور درستگی پیدا ہو جاتی ہے، اور ان سے آراستگی کے بعد دل خیانت، فساد اور شر سے پاک وصاف ہو جاتا ہے، شیطان کے مکر و فریب سے آدمی کو نجات اخلاص ہی کی بنا پر حاصل ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "**الا عبادك منهم المخلصين**" یعنی شیطان نے کہا کہ مگر جو تیرے مخلص بندے ہیں میں انہیں گمراہ نہ کر سکوں گا، ایک بزرگ فرماتے تھے کہ (**یانفس اخلصي تتخلصي**) اے نفس اخلاص پیدا کر تا کہ دوزخ سے تیری خلاصی اور نجات حاصل ہو۔

یقیناً دنیا کی ہر لذت اور آسائش سے نفس کو سکون اور راحت حاصل ہوتی ہے اور دل کا میلان اس کی طرف ہوتا رہتا ہے۔ اور یہ کیفیت چاہے کم ہو یا زیادہ، مگر یہ عمل

---

(۱) امام منذری نے اس حدیث کو "ترغیب" (۱/ ۲۴) حدیث صحیح کہا ہے، اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۶/ ۲۸) میں اور امام نسائی نے کتاب الجہاد (۶/ ۲۵) میں روایت کیا ہے۔

(۲) ابن ماجہ نے اس حدیث کو مختلف طرق سے تخریج کی ہے اور سندی نے (۱/ ۱۰۳) حدیث کے بعض زوائد پر کلام کیا ہے لیکن متون حدیث ائمہ حدیث کے نزدیک ثابت ہیں

میں جب شریک ہو جاتا ہے تو اس سے اس کی زندگی میں گدلا پن آجاتا ہے اور اس کا اخلاص بھی ختم ہو جاتا ہے، بلاشبہ انسان اپنی خواہشوں اور لذتوں میں مست اور ڈوبا ہوا ہے، اور اس کی عبادت اور اس کا کوئی عمل بھی دنیوی غرض اور لذت سے بہت کم ہی پاک وصاف ہو پاتا ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ جس کی زندگی میں کوئی ایک لمحہ بھی اگر اللہ کے لئے خالص ہو گیا تو اس کو نجات مل گئی، کیونکہ اخلاص کا پیدا ہونا بہت مشکل کام ہے اور دل کا آمیزشوں سے خالی ہو جانا آسان نہیں ہے اور اخلاص کا پیدا ہونا اور اللہ تعالیٰ کا قرب صرف اللہ عزوجل کی محبت اور ہمہ وقت آخرت کی فکر سے حاصل ہو سکتا ہے، یہاں تک کہ اس کے دل میں دنیا کی محبت بالکل باقی نہ رہے۔ اپنے کھانے اور پینے میں اچھی نیت کر کے انہیں عبادت بنانے کی کوشش کرے، اور جس کو یہ چیزیں حاصل نہ ہوں تو اس پر اخلاص کا دروازہ بند ہے مگر شاذ و نادر۔

جس دل پر اللہ اور آخرت کی محبت غالب رہتی ہے تو پھر اس کا ہر عمل اور جنبش عبادت کے حکم میں ہو جاتی ہے اور اس کا عمل سراپا اخلاص ہو جاتا ہے مگر جس وقت اس پر دنیا کی محبت، جاہ واقتدار کی ہوس اور تکبر و غرور مختصر یہ کہ اللہ کے سوا ہر چیز غالب ہو جاتی ہے، اور پھر اسکی تمام زندگی کے اندر یہ رنگ سرایت کر جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی نماز اور روزہ بھی اخلاص کے جوہر سے خالی رہتا ہے مگر نادر ہی۔

اخلاص پیدا کرنے کا علاج یہ بتایا گیا کہ نفس کو لذت کی چیزوں سے دور رکھا جائے، اور دنیوی محبت کو ترک کر کے آخرت کی طرف یکسو ہو جائے، جس وقت یہ جذبہ اور روح کسی پر غالب ہو جاتی ہے تو پھر اخلاص کا پیدا ہونا آسان ہو جاتا ہے، بہت سے عمل انسان بڑی محنت سے کرتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ وہ خالصۃً للہ کر رہا ہے اور وہ اس کی

طرف سے دھوکے میں مبتلا رہتا ہے کیونکہ اس نے ابھی تک اس کے نتائج بد کو دیکھا نہیں ہے۔

ایک حکایت ہے کہ ایک صاحب ہمیشہ صف اول میں نماز پڑھتے تھے ایک روز اتفاق سے کچھ تاخیر ہوگئی اس لئے انہوں نے دوسری صف میں نماز ادا کی، اور انہیں لوگوں کی وجہ سے دوسری صف میں نماز پڑھتے ہوئے بہت ندامت دامن گیر ہوئی، پھر ان کو یہاں پر یہ احساس ہوا کہ پہلی صف میں نماز پڑھنے پر خوشی اور دل کی راحت اسی وجہ سے تھی کہ لوگ اس کی طرف دیکھتے تھے۔ اخلاص کا معاملہ بھی بہت نازک ہے، ریا اور نمود سے بہت کم عمل پاک وصاف ہو پاتے ہیں، اور کم ہی لوگ اس کی طرف سے ہوشیار اور پرحذر رہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس کو اس کی توفیق مل جائے۔ اور اس سے غافل ہی لوگ قیامت کے دن اپنی اچھائیاں برائیوں کی شکل میں دیکھیں گے اور ان آیتوں سے یہی لوگ مراد ہیں۔

وَبَدَا لَهُم مِّنَ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا (الزمر:) اور ان کے سامنے اللہ کی طرف سے وہ ظاہر ہوگا جن کا گمان بھی انہیں نہ تھا جو کچھ انہوں نے کیا تھا اس کی برائیاں ان پر کھل پڑیں گی۔

دوسری جگہ اللہ نے فرمایا:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا (الكهف:١٠٣، ١٠٤) تو کہہ ہم بتائیں تم کو اعمال کے اعتبار سے کون سب سے گھاٹے میں گیا وہ لوگ جن کی کوشش بھٹکتی رہی دنیا کی زندگی میں اور وہ سمجھتے رہے کہ اچھا کام کرتے ہیں۔

اخلاص کے متعلق اقوال

یعقوبؒ نے فرمایا کہ مخلص آدمی کی نشانی یہ ہے کہ وہ اپنی اچھائیوں کو ایسے ہی مخفی اور پوشیدہ رکھے جیسے وہ اپنی برائیوں کو مخفی اور پوشیدہ رکھتا ہے۔

سوسیؒ نے فرمایا: ”اخلاص، اخلاص کا نظر نہ آنا ہے، کیونکہ جس نے اپنے اخلاص میں اخلاص کا مشاہدہ کیا تو اس کے اخلاص کو اخلاص کی ضرورت ہے“۔ عمل کو خود پسندی اور ریاو نمود سے پاک وصاف کرنے کے متعلق جو کہا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے عمل میں اخلاص اور سچائی کی طرف نظر کرنا بھی خود پسندی اور ریا ہے، اور یہ بات جملہ آفات میں سے ہے، اور خالص تو وہ ہے جو تمام عیبوں اور آفتوں سے پاک ہو“۔

ایوبؒ نے فرمایا: ”عمل کرنے والوں پر نیتوں کا خالص بنانا سب سے مشکل اور گراں بار ہے“۔

بعض سلف صالحین نے فرمایا: ”تھوڑی دیر کے اخلاص میں ہیشگی اور ابدی نجات ہے، لیکن اخلاص نایاب اور مشکل چیز ہے“۔

سہیلؒ سے دریافت کیا گیا: نفس پر سب سے زیادہ کیا چیز مشکل اور گراں ہے، فرمایا: اخلاص، کیونکہ نفس کے لئے اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

فضیلؒ نے فرمایا: ”لوگوں کی خاطر عمل نہ کرنا ریا ہے، اور لوگوں کی خاطر عمل کرنا شرک ہے، اور اخلاص یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان دونوں سے عافیت نصیب فرمائے۔

نیت کی حقیقت

نیت کا مطلب یہ نہیں کہ نیت کرنے والا زبان سے کہے "میں نے نیت کیا" بلکہ اس کا صدور دل سے ہوتا ہے۔ جس کا مصدر فتوحات ربانی سے ہے، بعض اوقات انسان کے لئے نیت کا استحضار آسان ہو جاتا ہے اور بعض اوقات بہت مشکل اور دشوار، جس دل پر دینی امور غالب و مستولی رہتے ہیں تو اس پر نیکیوں کے لئے نیت کا استحضار آسان بن جاتا ہے دل کی ایک خاص صفت یہ ہے کہ وہ اچھائیوں کی طرف مائل رہتا ہے اور اس میں تمام بھلائیوں کو بجالانے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے لیکن جو دل دنیا کی طرف ہر وقت مائل رہتا ہے اور دنیا پوری طرح اس پر غالب رہتی ہے تو اس پر نیتوں کا استحضار بہت دشوار ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ فرائض اور واجبات میں بھی یہ چیز اس کے لئے آسان نہیں ہوتی ہے مگر بڑی مشکل سے، اس سلسلہ میں ایک حدیث مشہور ہے۔

وعن عمر بن الخطاب رضي الله عنه عن رسول الله ﷺ: انما الاعمال بالنيات وإنما لكل امرئ مانوى، فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله، فهجرته الى الله ورسوله ومن كانت هجرته الى دنيا يصيبها أوامرأة ينكحها فهجرته إلى ماهاجراليه.

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی ہو، سو جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوگی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف مان لی جائے گی۔ اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہوگی تو اس کی ہجرت اسی مقصد کے لئے سمجھی جائے گی جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہے (بخاری و مسلم)

یہ حدیث تہائی علم ہے، جیسا کہ امام شافعیؒ نے فرمایا اس حدیث میں سارے علم کا تہائی حصہ ہے۔ "الاعمال بالنیات" کا مطلب یہ کہ اعمال کی درستگی جو موافق سنت بھی ہو نیت کی درستگی پر موقوف ہے اور یہ بعینہٖ "الاعمال بالخواتیم" (یعنی اعمال کا اعتبار خاتمہ پر) کی طرح ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر فرمادیا کہ اعمال کے بناؤ اور بگاڑ کا مدار نیتوں پر ہے جس کی جیسی نیت ہوگی تو اسی کی نیت کے اعتبار سے اس عمل کا بدلہ ملے گا خواہ عمل کتنا ہی اچھا ہو لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کیلئے نہ ہو تو آخرت میں قابل اعتبار نہ ہوگا اور اس پر اجر و ثواب نہ ملے گا۔

یہاں پر یہ بات واضح ہو کہ محض اچھی اچھی نیتوں سے معاصی کا حکم نہیں بدلتا ہے لہٰذا کوئی شخص یہ نہ گمان کرے کہ الاعمال بالنیات کا حکم عام ہے، اور نیت سے ہر گناہ عبادت بن جائے گا، تو یہ سراسر اس کی نادانی اور جہالت ہے، "الاعمال بالنیات" بندے کے عمل کے تین قسموں کے ساتھ خاص ہے۔ ا۔ عبادات، ۲۔ مباحات، (یعنی جائز امور)، ۳۔ معاصی۔

اور عبادتوں کا صحیح ہونا اور ان کا باعث زیادتی فضیلت و ثواب ہونا نیتوں پر موقوف اور انہیں کے ساتھ وابستہ ہیں، اور ان سے اللہ عزوجل کی صرف بندگی کا قصد وارادہ کیا جائے، لیکن اگر ان سے ریا اور نمود مقصود ہو جائے تو وہی عبادت معصیت ہو جائے گی۔

مباحات (۱) (یعنی وہ چیزیں جو جائز ہیں) واضح ہو کہ دنیا کا ہر کام اور ہر عام عادت

---

(۱) مباحات کی تشریح:- "فی بضع احدکم صدقۃ" (یعنی تمہاری شرمگاہ (کے استعمال کرنے) میں بھی صدقہ ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا شرمگاہ کے استعمال کرنے میں صدقہ کا ثواب »

نیت کے صحیح رخ سے عبادت بن جاتی ہے، اور پھر اسی نیت کی بدولت مومن آدمی بلند ترین درجات اور مراتب حاصل کر لیتا ہے۔

نیت کی فضیلت

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا "کہ سب سے افضل عمل ان فرائض کی ادائیگی میں ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے فرض فرمایا ہے، اور جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان سے باز آجانا ہے، اور نیتوں کی صدق و سچائی ان امور میں جو اللہ تعالیٰ سے متعلق ہیں"

بعض سلف صالحین نے فرمایا: "بسا اوقات ایک چھوٹا عمل نیت کی بدولت عظیم اور بڑا ہو جاتا ہے، اور بسا اوقات ایک بڑا عمل نیت کی بدولت چھوٹا ہو جاتا ہے"۔

یحییٰ بن ابی کثیرؒ نے فرمایا اے لوگو! "نیتوں کو اچھی طرح سیکھو کیونکہ نیت عمل کے مقابلہ میں زیادہ موثر ہے"۔

» کیونکر ملے گا، ہم میں سے کوئی شخص اپنی نفسانی خواہش پوری کرے اور اسے اس میں ثواب مل جائے۔ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم بتاؤ اگر وہ اپنی شرمگاہ حرام جگہ استعمال کرتا تو کیا اس پر گناہ نہ ہوتا؟ (ظاہر ہے اس صورت میں گناہ کا مرتکب مانا جاتا) (سو اسی طرح یہ سمجھ لو) کہ جب اس نے (حرام سے بچ کر) اپنی شرمگاہ کو حلال جگہ استعمال کیا تو اس کے لئے اجر و ثواب ہوگا (مسلم) امام نووی رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حدیث مندرجہ بالا میں اس بات کی دلیل ہے کہ مباحات (یعنی جائز امور) نیک اور صالح نیت کے باعث عبادات و طاعات بن جاتی ہیں، جیسے کسی نے اپنی بیوی سے مباشرت اور ہم بستری سے یہ نیت کی ہو کہ اس سے بیوی کے حق کو پورا کرتا ہو، یا اس سے نیک و صالح اولاد کی طلب ہو یا اپنے آپ کو پاک دامن رکھنا مقصود ہو، یا بد نظری یا غلط خیالات سے گلو خلاصی کا ارادہ ہو وغیرہ وغیرہ تو ان سب اچھی نیتوں سے مباحات بھی عبادات بن جاتی ہیں، جیسا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں اپنے سونے کی حالت کو ایسے ہی عبادت خیال کرتا ہوں جیسے نماز کے اندر کھڑے رہنے کو عبادت سمجھتا ہوں"۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو احرام باندھنے کے وقت بلند آواز سے یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا: "اللهم انی أرید الحج والعمرة" "اے اللہ میں حج اور عمرہ کرنے کا ارادہ کرتا ہوں" آپ نے فرمایا تم اپنے حج اور عمرہ کرنے کی لوگوں کو خبر دینا چاہتے ہو، اور اللہ تعالیٰ تمہارے دل کی بات کو نہیں جانتا ہے؟ اور یہ اس لئے کہ نیت تو دل کے ارادہ اور قصد کا نام ہے، اور عبادت میں نیت کو الفاظ سے ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔

علم حاصل کرنے کی فضیلت

علم کی فضیلت اور اہمیت پر آیات اور احادیث بکثرت موجود ہیں، ان میں سے چند بطور نمونے کے درج ذیل ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (المجادلة: ۱۱) تم میں سے جو ایمان رکھتے ہیں اور علم سے نوازے گئے ہیں اللہ ان کے درجے بلند کریگا۔

اللہ عزوجل نے فرمایا:۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (الزمر: ۹) آپ کہہ دیجئے، کیا علم والے اور غیر علم والے برابر ہو سکتے ہیں۔

اور فضیلت علم کے سلسلہ میں احادیث:۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من یرد الله به خیراً یفقهه فی الدین (بخاری، مسلم) "اللہ عزوجل جس کے ساتھ کوئی بھلائی اور خیر کا ارادہ چاہتا ہے تو اس کو دین کی سمجھ بوجھ عطا فرماتا ہے"۔

من سلك طريقاً يلتمس فيه "جو شخص کسی ایسے راستے پر چلے جس میں علم

علماً سهل الله له به طريقاً الى کو تلاش کر رہا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے

الجنة (مسلم) جنت کا راستہ آسان فرمادیتے ہیں"۔

علم کی تلاش کے لئے سفر کرنے اور کسی جگہ جانے میں وہ حقیقی راستہ بھی داخل ہے جیسے دور دراز کا سفر طے کر کے علماء اور فقہاء کے یہاں حاضر ہوا جائے، اور اس تلاش علم کے اندر وہ معنوی راستہ داخل ہے جو علم کے حصول کا ذریعہ اور سبب ہوتا ہے، جیسے علم کا یاد کرنا اور اس کا سمجھنا اور علم کا مذاکرہ وغیرہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا قول مبارک "سہل اللہ لہ طریقاالی الجنۃ" یعنی جس علم کو اس نے طلب کیا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس کے لئے آسان فرمادے گا اور راستہ کی دشواریاں دور فرمادے گا، اور علم ہی سے جنت کی طرف راستہ ملتا ہے، کسی کا قول ہے "کوئی علم کا طالب ہے جس پر اس کی مدد اور اعانت کی جائے" اور اس راستہ سے مراد قیامت کے دن جنت والا راستہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور وہ صراط مستقیم ہے اور جو اس سے ماقبل ومابعد ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے کا قریب ترین راستہ علم کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، لہٰذا جو اس راہ پر گامزن ہوگا وہ اللہ اور جنت کی طرف سب سے قریب ترین راہ سے پہنچے گا، اور علم ہی کے ذریعہ جہالت، شکوک وشبہات کی تاریکی میں راہنمائی حاصل کریگا اس وجہ سے اللہ نے اپنی کتاب عزیز کو "نور" فرمایا ہے، صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس علم کو لوگوں کے سینوں سے نکال کر قبض نہیں فرمائے گا۔ بلکہ علماء کو قبض فرما کر علم کو (بھی) قبض فرمائے گا، جب علماء باقی نہ رہ جائیں گے تو لوگ جاہلوں کو اپنا سربراہ بنالیں گے۔ تو یہ لوگ ان سے مسئلہ دریافت کریں گے تو وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے۔ خود گمراہ

ہوں گے اور دوسروں کو گمراہ کریں گے۔ (بخاری، مسلم)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا: اگر تم اس کا معنی جاننا چاہتے ہو تو تم کو بتلاتا ہوں کہ سب سے پہلا علم جو لوگوں سے اٹھے گا وہ خشوع ہے۔

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے یہ اس لئے فرمایا کیونکہ علم کی دو قسم ہے، ان میں سے ایک علم یہ کہ اس کا نتیجہ اور پھل انسان کے دل میں ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ، اس کے اسماء، اس کی صفات، اس کے افعال کا علم ہے اور یہ علم اللہ کی خشیت، اس کے اجلال، اس کی محبت، اس سے امید اور اس پر توکل کا مقتضی ہوتا ہے اور یہی علم نافع ہے جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کچھ ایسے لوگ ہیں جو قرآن پڑھتے ہیں لیکن قرآن ان کی نرخروں سے متجاوز نہیں ہوتا ہے، لیکن جس وقت دل میں اتر جائے اور اس میں راسخ ہو جائے تو فائدہ مند ہوگا۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا علم دو طرح کا ہوتا ہے علم لسانی (یعنی زبان کا علم) تو یہ علم ابن آدم کے خلاف حجت ہوگا، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے "القرآن حجۃ لک أو علیک" یعنی قرآن تمہارے موافق حجت ہوگا یا مخالف، اور ایک علم کی قسم باطنی ہے جو دل میں ہوتا ہے اور یہی علم نافع ہے، اور سب سے پہلا علم جو اٹھے گا وہ یہی علم نافع اور مفید ہے اور اسی علم کا نام علم باطن بھی ہے جو دل میں پیوست ہو کر اس کی اصلاح کرتا ہے، اور (آخر زمانہ میں) علم ظاہر باقی رہ جائے گا، لوگ اس کے ساتھ سستی اور لاپرواہی برتیں گے اور اصحاب علم اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ بھی اس کے تقاضوں پر عمل نہیں کریں گے۔ پھر یہ علم بھی ارباب علم کے رخصت ہونے کے ساتھ ساتھ مٹ جائے گا۔ اور قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہو جائے گی۔

دل کے اقسام اور انواع

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (بنی اسرائیل: ٣٦) بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی ان سے باز پرس ہوگی۔

دل کی حیثیت اعضاء میں وہی ہے جو ایک بادشاہ کی اپنی فوج اور لشکر میں ہوتی ہے اور تمام امور اور معاملات اسی کے حکم سے صادر ہوتے ہیں، دل جس طرح چاہتا ہے اعضاء سے کام لیتا ہے، اور سب اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں لگے رہتے ہیں اور دل ہی سے اعضاء کو استقامت اور گمراہی دونوں کا راستہ ملتا ہے، اور تمام امور و معاملات کا حل و عقد دل کے اتباع و پیروی کرنے سے طے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:-

"ألا وان في الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله، واذا فسدت فسد الجسد كله، ألا وهي القلب" (متفق عليه) "ہوشیار رہو کہ بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہو تو سارا بدن درست ہوتا ہے اور جب وہ خراب ہو تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے۔ ہوشیار رہو کہ وہ دل ہے"۔

حقیقت میں دل ہی سارے اعضاء کا بادشاہ ہے اور جو حکم بھی اعضاء کو کرتا ہے فوراً وہ اس کی تنفیذ کرتے ہیں اور اس کی طرف سے آنے والے ہر ہدیہ اور تحفہ کو قبول کرتے ہیں، اور اعضاء کو اپنے عمل میں دل ہی کے توجہ اور ارادہ سے استقامت اور صحیح راہ ملتی ہے، دل ہی دین کا مسئول اور ذمہ دار ہے اسلئے کہ ہر نگہبان سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس

ہو گی۔ اسی وجہ سے سالکین راہ طریقت نے دل کی درستگی اور اصلاح کی جانب اہتمام اور خیال کرنے کو سب سے افضل کام سمجھا ہے، اور عبادت وریاضت کرنے والوں نے اس کی بیماری اور علاج کے متعلق غور وفکر کرنے کو بہت اہمیت دی ہے۔

دل کی قسمیں:

دل کے زندہ ہونے اور نہ ہونے کے اعتبار سے تین اقسام ہیں:۔ قلب صحیح یا قلب سلیم یعنی صاف اور بے روگ دل، ۲۔ مردہ قلب، ۳۔ بیمار قلب۔

ا۔ قلب صحیح: وہ قلب سلیم ہے کہ قیامت کے دن صرف اسی شخص کو نجات ملے گی جو بے روگ دل لیکر اللہ تعالیٰ کے حضور آئے گا، جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ، (الشعراء: ۸۸،۸۹) جس دن کوئی مال اور بیٹے کام نہ آئیں گے مگر جو اللہ کے پاس بے روگ دل لے کر آئے۔

قلب سلیم کے متعلق تعریف یہ بھی کی گئی ہے کہ وہ ہر اس خواہش ورغبت سے جو اللہ کے امر ونہی اور ہر اس شک وشبہہ کی باتوں سے جو اس کے حکم کے متعارض ومتصادم ہو پاک ہو، وہ ماسوا اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے مخالف فیصلوں سے راضی نہ ہو، اس کی بندگی اللہ ہی کیلئے خالص ہوگئی ہو، اس کو اللہ ہی سے ارادت بھی ہو اور محبت بھی، اسی پر توکل بھی ہو اور اسی کی طرف سچی انابت بھی اور اسی سے خشوع، خوف، امید بھی ہو، اس کے سارے اعمال میں خلوص وسچائی کی جلوہ گری ہو، جس سے محبت کی اللہ ہی کے لئے محبت کی اور جس سے بغض رکھا اللہ ہی کے لئے بغض رکھا اور جس کو کچھ دیا اللہ ہی کے لئے دیا اور جس کو دینے سے ہاتھ روکا اللہ ہی کے لئے دینے سے ہاتھ روکا۔ اتنی ہی باتیں اس کیلئے کافی نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول

ﷺ کے علاوہ ہر فیصلے کے آگے انقیاد اور تسلیم سے مبرا ہو اور اس کا دل پورے عزم وارادہ کے ساتھ دین اسلام پر صرف عمل پیرا ہونے اور اس کی اقتدا کرنے پر تیار ہو گیا ہو، اور دوسروں کے اقوال واعمال کو پس پشت ڈال دیا ہو: اور اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے آگے کسی عقیدہ اور قول وعمل کو آگے کرنے کی رغبت وخواہش نہ ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَاتُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (الحجرات: ۱)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو اللہ سنتا (اور) جانتا ہے۔

۲۔ مردہ قلب: یہ قلب سلیم کے سراسر برعکس اور ضد ہے، یہ اپنے پروردگار کی معرفت سے ناآشنا ہوتا ہے، اس کے حکم کے باوجود اس کی عبادت سے دور رہتا ہے، اسے اللہ کی محبت ورضا سے کوئی مطلب اور سروکار نہیں ہوتا ہے، اپنے پروردگار کے غصہ اور ناراضگی کے باوجود ہر وقت دنیا کی لذتوں اور راحتوں میں مستغرق اور ڈوبا رہتا ہے، ادنی دنیوی منافع کی خاطر اللہ کے حکم کی پرواہ نہیں کرتا ہے چاہے اس کا پروردگار راضی ہو یا نہ ہو، اور اللہ کے غیر کی بندگی میں مصروف رہتا ہے، اگر کسی سے محبت کرتا ہے تو اپنے نفس کیلئے کرتا ہے، اور اگر کسی سے بغض رکھتا ہے تو اپنے نفس کے لئے بغض رکھتا ہے اور کسی کو دیتا ہے تو اپنے نفس کے لئے دیتا ہے اور اگر کسی کو دینے سے اپنے ہاتھ کو روکتا ہے تو اپنے نفس کے لئے روکتا ہے، نفس ہی اس کے نزدیک سب سے زیادہ باعث فضیلت چیز ہو جاتی ہے اور اس کے نزدیک نفس کی محبت اللہ کی محبت سے زیادہ ہوتی ہے، پس نفس اس کا امام، نفسانی خواہش اس کی گائڈ، جہالت اس کا

ڈرائیور اور غفلت اس کی سواری ہوتی ہے، اور جان ودل اور فکر کے ساتھ دنیوی اغراض کی تحصیل میں مستغرق اور خواہش نفس کے نشہ اور زوال پذیر متاع دنیا کی محبت میں دیوانہ اور مست رہتا ہے، ہر قریب وبعید جگہوں سے اس کو آواز دے کر اللہ اور دار آخرت کی طرف دعوت دی جاتی ہے لیکن وہ اپنے کسی ناصح اور خیر خواہ کی آواز پر کان نہیں دھرتا ہے، بلکہ ہر سرکش شیطان کی اتباع وپیروی کرتا ہے اور دنیا ہی اس کے نزدیک رضامندی اور ناراضگی کا معیار ہوتی ہے اور نفسانی خواہش اس کو باطل کے علاوہ کی چیزوں سے بہرا اور اندھا کردیتی ہے؛ لہٰذا ایسے لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنا اور معاشرت اختیار کرنا بیماری کا سبب، زہر نوش کرنے کے مترادف اور ہلاکت وتباہی کے اسباب میں سے ہے۔

۳۔ قلب مریض: ایسا دل ہے کہ اس میں زندگی اور بیماری دونوں عناصر ہوتے ہیں، اگر ایک عنصر اپنی طرف کھینچتا ہے تو دوسرا عنصر اپنی طرف، ان دونوں میں سے ایک کے غلبہ سے اس میں اللہ تعالیٰ کی محبت، اس پر ایمان ویقین، اس کے لئے اخلاص اور اس پر توکل جیسے صفات پیدا ہوتے ہیں تو یہ اس کی زندگی کے اسباب میں سے ہیں، اور اس میں شہوتوں سے محبت، دنیا کو آخرت پر فوقیت، دنیا کے حصول کے لئے حرص، حسد، تکبر اور خود پسندی کی صفات پیدا ہوتی ہیں، تو یہ اس کی ہلاکت وتباہی کے اسباب میں سے ہیں۔ اس طرح وہ دو ایسے داعیوں اور جذبوں کے درمیان گھرا رہتا ہے کہ ان میں سے ایک اس کو اللہ، اس کے رسول اور دار آخرت کی طرف بلاتا ہے، اور دوسرا دنیا اور ختم ہو جانے والی زندگی کی طرف دعوت دیتا ہے، وہ اپنے ذوق اور طبیعت کی مناسبت کے لحاظ سے ان دونوں میں سے ایک کی دعوت کو قبول کرتا ہے۔

پہلا قلب زندگی سے لبریز، متواضع، نرم وگداز اور باشعور ہوتا ہے، دوسرا زندگی سے خالی اور انتہائی خشک اور بے جان ہوتا ہے اور تیسرا مریض دل ہے اور وہ یا تو امن وسلامتی سے قریب ہوتا ہے یا ہلاکت وتباہی سے۔

دل کے امراض اور اس کی صحت کی نشانیاں

مریض دل کی نشانیاں

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کا دل بیمار ہوتا ہے اور بیماری بھی بہت سخت درجہ کی، لیکن اسے اپنی اس بیماری کا احساس وشعور نہیں ہوتا ہے یہاں تک کہ مر جاتا ہے، پھر بھی اپنی موت کے سبب کو دل والا سمجھ نہیں پاتا ہے، اس کی بیماری یا اس کی موت کی نشانی یہ ہے کہ اسے معاصی اور گناہوں سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی ہے اور اسے حق بات کی جہالت اور نہ اپنے باطل عقائد سے دکھ ودرد ہوتا ہے، کیونکہ اگر اس کے دل میں ایمان کی زندگی ہوتی تو اسے یقیناً اپنے دل کی زندگی کے اعتبار سے برائیوں کے ارتکاب اور حق بات کے نہ جاننے سے بہت تکلیف پیدا ہوتی، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اسے اپنی بیماری کا علم تو ہوتا ہے لیکن اس پر جب دوا کی تلخی بہت زیادہ ہوتی ہے تو پھر وہ اپنی تکلیف کے باقی رہنے کو دوا کی تلخی پر ترجیح دیتا ہے۔

دل کی بیماریوں کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ نفع بخش غذا کو چھوڑ کر مضر اشیاء کی طرف مائل ہو جائے اور اسی طرح وہ نافع دوا کو ترک کرکے نقصان دہ چیزوں کے استعمال کی طرف مائل ہونے لگے، لیکن اس کے برعکس ایک صحت مند دل کو نافع اور شفا بخش چیزوں کا علم ہوتا ہے اسی لئے وہ اچھی چیزوں کو نقصان دہ اور موذی چیزوں پر

ترجیح دیتا ہے، لوگوں کیلئے سب سے نفع بخش غذا ایمان کی غذا ہے اور سب سے نافع اور مفید دوا قرآن کی دوا ہے۔

صحت مند دل کی علامات:

ان میں سے ایک علامت یہ ہے کہ وہ دنیا سے رخت سفر باندھ کر دار آخرت میں نزول کرے اور وہ وہاں اس طرح قیام کرے جیسے وہاں کے لوگوں میں کا ایک فرد ہو، پھر وہاں سے مسافرت کے عالم میں دنیا کی طرف واپس آئے، اپنی ضرورت بھر سامان لے کر پھر وہیں لوٹ جائے، جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابن عمر! "دنیا میں ایک مسافر یا راستہ پار کرنے والے کی طرح زندگی گزارو" (بخاری) اور دل جس قدر بیمار ہوتا ہے اسی قدر وہ دنیا کو ترجیح دیتا ہے، اور دنیا ہی کو اپنا وطن سمجھتا ہے یہاں تک کہ اسی میں سے اس کا شمار ہوتا ہے۔

صحت مند دل کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ ہمیشہ انسان کو وہ متنبہ اور ہوشیار کرتا رہتا ہے کہ اسے اپنے رب کی طرف انابت نصیب ہو اور اسے اس کی طرف جھکاؤ پیدا ہو اور اسے اپنے رب سے اس عاشق زار کی طرح تعلق پیدا ہو جائے جسے اپنے محبوب سے ایک والہانہ تعلق قائم رہتا ہے؛ اور وہ اللہ کی محبت پاکر دوسری تمام محبتوں سے اور اس کو یاد کر کے تمام دوسری یادوں سے اور اس کی خدمت کر کے تمام دوسری خدمتوں سے مستغنی اور بے نیاز ہو جائے۔

صحت مند دل کی ایک علامت یہ کہ اس کا کوئی وظیفہ یا کوئی عبادت چھوٹ جائے تو اسے اس بات سے اتنا رنج و غم ہو جتنا ایک مال و دولت کے حریص آدمی کو اس کے مال کے ضائع ہونے سے نہ ہو۔

صحت مند دل کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا اس قدر شوق اور رغبت ہو جس قدر ایک بھوکے آدمی کو کھانے اور پینے کی چیزوں سے ہو، حضرت یحیٰ بن معاذؒ نے فرمایا: جسے اللہ کی خدمت کر کے خوشی ومسرت حاصل ہوئی تو تمام لوگوں کو اس کی خدمت کر کے خوشی ومسرت حاصل ہوئی اور جس کی آنکھوں کو اللہ سے ٹھنڈک میسر ہوئی تو تمام آنکھوں کو اس کی طرف دیکھ کر ٹھنڈک میسر ہوئی۔

صحت مند دل کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس کی تمام فکریں کٹ کر ایک فکر میں سمٹ جائیں یعنی اللہ اور اس کی عبادت کیلئے ہو جائیں۔

صحت مند دل کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے اوقات کو ضائع کرنے میں اس قدر بخیل ہو جتنا ایک بخیل شخص کو اپنے مال پر بخل نہ ہو۔

اس کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ جب نماز میں داخل ہو تو اس سے اس کا سارا غم ورنج کافور ہو جائے اور اسے راحت وسکون ملنے لگے اور نماز سے اپنی آنکھ کی ٹھنڈک اور اپنے دل کا سامان سرور محسوس کرنے لگے۔

صحت مند دل کی ایک علامت یہ بھی کہ وہ اپنے رب کی یاد سے کبھی سست نہ پڑے اور نہ اس کی خدمت سے گھبرائے اور نہ اس کے غیر سے اسے انس ملے ہاں سوائے اس شخص کے جو اس کو اس کے رب کی طرف نشاندہی کرے اور اس کو اس کی یاد دلائے۔

اور اس کی ایک علامت یہ بھی کہ اسے اپنی تصحیح نیت کا خیال وپاس اس کے اپنے عمل سے کہیں زیادہ ہو اور اخلاص وسچائی اور لوگوں کی خیر خواہی کا خوگر ہو اور مداومت عمل، تزکیہ نفس واحسان کا غایت درجہ خیال رکھتا ہو؛ اس کے باوجود ان باتوں کو خدائے تعالیٰ کا وہ فضل واحسان سمجھتا ہے اور اپنے کو سراپا کوتاہ اور قصور وار۔

دل کی بیماریوں کے اسباب

جو فتنے دلوں پر پیش ہوتے ہیں وہی ان کی بیماری کا سبب ہوتے ہیں جن میں خواہشات اور شبہات خاص فتنے ہیں، خواہشات کے فتنے سے برے عزم وارادے پیدا ہوتے ہیں اور شبہات کے فتنے سے علم اور عقیدے کا بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "فتنے دل پر چٹائی کے ایک ایک لکڑی کی طرح پیش ہوتے ہیں تو جو دل اسے قبول کر لیتا ہے اس دل پر ایک سیاہ نقطہ کی طرح چھپ جاتے ہے، اور جو دل اس سے انکار کر دیتا ہے اس پر سفید نقطہ چھپ جاتا ہے۔ اس طرح دل دو حصوں میں بٹ جاتے ہیں ایک دل تو انتہائی کالے رنگ کے پیالے کا شکل اختیار کر لیتا ہے جس میں نہ کسی بھلی بات کو قبول کرنے کی صلاحیت باقی رہ جاتی ہے نہ ہی وہ کسی بری بات کو برا سمجھتا ہے، بس وہ اس چیز کو قبول کرتا ہے جسے نفس اس کو عطا کرے، اور دوسرا سفید دل جسے کبھی بھی کوئی فتنہ نقصان نہیں پہونچا سکتا جب تک آسمان وزمین قائم ہیں (رواہ مسلم باب الایمان ۱۷۰/۲)

تو فتنوں کی بیماری کے وقت دلوں کو آنحضرت ﷺ نے دو حصوں میں تقسیم فرمادیا ہے، ایک وہ دل جب اس پر کوئی فتنہ طاری ہوتا ہے تو وہ اسے ایسے جذب کر لیتا ہے جیسے روئی پانی کو جذب کر لیتی ہے جس کے سبب اس میں سیاہ داغ پڑ جاتا ہے، اس طرح جتنے فتنے دل پر طاری ہوتے ہیں وہ سب کو جذب کرتا رہتا ہے یہاں تک اس کا رنگ انتہائی کالا بھجنگ سیاہ رنگ میں ڈوبے ہوئے پیالے کی طرح ہو جاتا ہے، اور جب وہ پوری طرح سیاہ ہو جاتا ہے تو اس پر یہ دونوں خطرات اور بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں جو

اسے تباہ و برباد کرڈالتی ہیں۔ پہلی بیماری تو یہ ہے کہ نیکی اس کے اوپر بری بنکر پیش ہوتی ہے، اس طرح وہ نہ کسی نیکی کو نیکی سمجھتا نہ کسی برائی کو برائی سمجھتا، اور بسا اوقات یہ بیماری اس پر ایسی جم جاتی ہے کہ وہ بھلائی کو برائی سمجھنے لگتا ہے، اور برائی کو بھلائی اور سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت، اور حق کو باطل اور باطل کو حق۔

اور دل کی دوسری حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کو اپنی خواہش کے فیصلے کے تابع کردیتا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اپنی خواہش کا تابعدار بن جاتا ہے۔

البتہ سفید روشن دل تو اس میں ایمان کی روشنی چمکتی رہتی ہے اور ایمان کا چراغ اس میں ہمیشہ روشن رہتا ہے، تو جب بھی کوئی فتنہ اس پر طاری ہوتا ہے تو وہ اسے برا لگتا ہے اور اسے دور کردیتا ہے اسطرح اس کا نور اس کی چمک کے ساتھ مسلسل بڑھتا رہتا ہے۔

دل کے لئے چار چیزیں زہر آلود ہیں

یہ بات معلوم ہو کہ تمام معاصی دل کے لئے زہر کے مانند ہیں اور اس کی ہلاکت وتباہی کے اسباب میں سے ہیں، گناہ ہی سے دل کی تمام بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور گناہ ہی دل کے مرض کو بڑھاتا اور اسے غیر اللہ کی جانب پھیرتا ہے، جیسا کہ حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ علیہ نے اشعار میں فرمایا:

رایت الذنوب تمیت القلوب   قد یورث الذل ادمانها
وترك الذنوب حیاة القلوب   وخیر لنفسك عصیانها

"میں نے گناہوں کو یہ دیکھا ہے کہ ان سے قلوب مردہ ہو جاتے ہیں اور ان کے ارتکاب سے آدمی لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل وخوار ہو جاتا ہے اور گناہوں کے چھوڑ دینے میں دلوں کی زندگی ہے اور ان کی نافرمانی میں تمہارے لئے بھلائی ہے"

لہٰذا جو شخص اپنے دل کے لئے امن و سکون اور زندگی چاہتا ہے تو اس کو اپنے دل کو گناہوں کے زہر آلود اثرات سے پاک اور دور رکھنا بہت ضروری ہے اور وہ دل کی مستقل نگرانی بھی کرتا رہے کہ وہ گناہ کی کوئی زہر والی چیز استعمال نہ کرپائے، لیکن اگر اس نے خدانخواستہ استعمال کرلیا ہے تو اسے چاہئے کہ توبہ، استغفار اور اچھائیوں پر عمل کر کے گناہوں کے زہر آلود اثرات کو دھونے اور مٹانے میں جلدی کرے۔

ہماری چار زہر آلود چیزوں سے مراد، زیادتی کلام، زیادتی نگاہ، زیادتی کھانا اور زیادتی اختلاط (یعنی میل جول رکھنا) ہے۔ یہ زہر بڑی سرعت کے ساتھ پھیلتا ہے اور دل کی زندگی میں بڑی تیزی سے اثرانداز ہوتا ہے۔

زیادتی کلام:

مسند (۱) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (بندے کا ایمان اس وقت تک درست ٹھیک نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا دل درست نہ ہو جائے اور اس کا دل اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی زبان درست نہ ہو جائے)

ترمذی (۲) میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "تم اللہ کے

(۱) ضعیف ہے، امام منذری نے کہا کہ اس کو امام احمد اور ابن ابی دنیا نے کتاب صمت میں روایت کیا ہے (۳/۲۳۴) اور عراقی نے احیاء کی تخریج (۸/۱۵۳۹) میں اس کو ضعیف کہا ہے۔

(۲) ضعیف ہے، امام ترمذی نے کتاب الزہد (۷/۹۲) میں اس کو تخریج کیا ہے، اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

ذکر کے سوا گفتگو زیادہ مت کرو، کیوں کہ اللہ کے ذکر کے سوا زیادہ بولنا دل میں قساوت اور سختی پیدا کرتا ہے اور سخت دل لوگ میں اللہ سے سب سے زیادہ دور ہوتا ہے"۔

حضرت عمر بن خطاب (۱) رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جس نے زیادہ گفتگو کی اس کی لغزش زیادہ ہوئی اور جس کی لغزش زیادہ ہوئی اس کے گناہ زیادہ ہوئے اور جس کے گناہ زیادہ ہوئے تو وہ دوزخ کا زیادہ مستحق اور حقدار ہے"۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں رسول اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ: اے معاذ! "کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتادوں جس پر گویا ان سب کا مدار ہے؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں اے اللہ کے رسولؐ وہ چیز بھی ضرور بتلادیجئے۔ پس آپ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا: —اس کو روکو (یعنی اپنی زبان قابو میں رکھو) میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبیؐ جو ہم باتیں کرتے ہیں کیا ان پر بھی ہم سے مواخذہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا اے معاذ تجھے تیری ماں روئے (یہ ایک عربی محاورہ ہے یہاں پر پیار کا کلمہ ہے) آدمیوں کو دوزخ میں ان کے منہ کے بل یا فرمایا ان کی ناکوں کے بل ان کی زبانوں کی بیباکانہ باتیں ہی ڈلوائیں گی (ترمذی)(۲) (حصائد الالسنة) سے مراد حرام کلام کی سزا اور بدلہ ہے، کیونکہ انسان اپنے قول اور عمل کے ذریعہ اچھائیوں اور برائیوں کو بوتا ہے اور قیامت کے دن انہی اچھائیوں اور برائیوں کو کاٹے

---

(۱) ضعیف ہے ابو حاتم ابن حبان نے روضة العقلاء (۸۱) میں روایت کیا ہے اور بیہقی نے حضرت عمر پر موقوف روایت کیا ہے اور یہ امام عراقی نے تخریج احیاء (۸/۱۵۴۱) میں کہا ہے۔ اور ابو نعیم نے (الحلیة) (۳/۷۴) میں سند ضعیف سے روایت کیا ہے جیسا کہ عراقی نے کہا ہے۔

(۲) حدیث صحیح ہے امام ترمذی نے کتاب الایمان (۷/۳۶۲) میں روایت کیا، اور حسن صحیح کہا ہے، اور حاکم نے مستدرک کے کتاب التفسیر، (۲/۴۱۲) میں

گا، جو قول اور عمل سے اچھی چیزوں کو بوئے گا وہ عزت اور اکرام سے ہم کنار ہوگا، اور جو ان سے برائی کو بوئے گا تو وہ ندامت اور افسوس کو کاٹے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: جس چیز کی وجہ سے کثرت سے لوگ دوزخ میں جائیں گے وہ اجوفان (یعنی منہ اور شرمگاہ ہیں) (احمد، (۱) ترمذی)

صحیحین (۲) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا "آدمی ایک کلمہ اپنی زبان سے کہتا ہے تو اس کی وجہ سے وہ دوزخ میں جا گرتا ہے اور اس کے اور اس کلمہ کے درمیان مشرق اور مغرب کے درمیان سے (بھی) زیادہ دوری ہو جاتی ہے، امام ترمذی (۳) نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ "آدمی ایک کلمہ اپنے منہ سے نکالتا ہے اور اس کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی ہے (مگر) اس کی وجہ سے وہ ستر سال تک دوزخ میں لڑھکتا ہوا جاتا ہے"۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نے عرض کیا یا رسول اللہ نجات کس چیز میں ہے، آپ نے فرمایا: اپنی زبان کو قابو میں رکھو (یعنی وہ بے جا نہ چلے) اور چاہئے کہ تمہارے گھر میں تمہاری گنجائش ہو اور اپنے گناہوں پر اللہ کے حضور رویا کرو" (بخاری، (۴) مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص ذمہ لے لے اپنی زبان اور اپنی شرمگاہ کا (کہ یہ

---

(۱) حدیث صحیح ہے ترمذی نے کتاب البر والصلۃ میں، اس کو روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ (۶/۱۴۲) حدیث صحیح غریب ہے۔

(۲) امام بخاری نے کتاب الرقاق (۱۱/۳۰۸) میں اور امام مسلم نے کتاب الزہد (۱۸/۱۱۷) میں روایت کیا ہے۔

(۳) امام ترمذی نے کتاب الزہد (۶/۶۰۴) میں روایت کیا اور اس طریق سے حسن غریب کہا ہے۔

(۴) حدیث حسن ہے، یہ حدیث بخاری اور مسلم میں نہیں ہے بلکہ ترمذی نے کتاب الزہد (۷/۸۷) میں روایت کیا ہے۔

دونوں غلط استعمال نہ ہوں گی) میں اس کے لئے ذمہ داری لیتا ہوں جنت کی"۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ "جو شخص اللہ اور قیامت کے روز پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے"۔

رسول اللہ ﷺ نے حدیث مذکورہ میں اچھی بات کہنے اور خاموشی اختیار کرنے کو ذکر فرما کر ان کے سوا کی چیزوں سے منع فرما دیا ہے، آدمی کی گفتگو یا تو بھلی و اچھی ہو گی یا بری پہلی صورت میں بندے کو کرنے کا حکم ہوگا اور دوسری صورت میں خاموش رہنا ضروری ہوگا، ابن ماجہ نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کی ہر گفتگو اس کے خلاف ہوتی ہے سوائے اچھی بات کے حکم کرنے اور بری بات سے روکنے اور اللہ کے ذکر کرنے کے۔

آثار صحابہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر داخل ہوئے، دیکھا کہ وہ اپنی زبان کو اپنے ہاتھ سے کھینچ رہے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا بات ہے، اللہ آپ کی مغفرت فرمائے، آپ نے فرمایا اسی زبان نے مجھے موارد تک پہنچا دیا ہے"۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے تھے، "اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے سب سے زیادہ قید کرنے کی ضرورت میری زبان کو ہے"۔ نیز آپ فرماتے تھے اے زبان بھلی کہہ کر فائدہ حاصل کر اور برائی سے خاموش رہ کر شرمندگی اٹھانے سے پہلے محفوظ رہ"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: انسان کو قیامت کے دن اپنے اعضاء میں سے سب سے زیادہ

غیض اور غصہ اپنی زبان پر ہو گا، مگر جس نے اس سے کوئی اچھی بات کہی ہو یا کوئی اچھی بات لکھوائی ہو"۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا جو اپنی زبان کی حفاظت نہ کر سکا وہ اپنے دین کو محفوظ نہ کر سکا"۔

اور زبان کی سب سے معمولی آفتوں میں ضرر و نقصان کے اعتبار سے غیر مفید کلام ہے اور اس آفت کی سنگینی کی وضاحت میں رسول اللہ ﷺ کا قول (آدمی کی اسلامیت کے حسن و کمال میں اتنی بات کافی ہے کہ جو بات اس کے لئے ضروری اور مفید نہ ہو اس کو چھوڑ دے"۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت حسنؓ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "آدمی کا غیر ضروری امور میں مشغول رہنے سے اللہ تعالٰی کی طرف سے اس کو ذلیل کر کے اس کا تعلق منقطع کر دیا جاتا ہے"۔

حضرت سہلؒ نے فرمایا: "جو غیر مفید کلام کرتا ہے وہ صدق و سچائی سے محروم ہو جاتا ہے"۔

زبان کی آفات اور مضرتوں کے متعلق اوپر جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ معمولی اور خفیف درجہ کی تھیں باقی رہی غیبت، چغلی، فحش کلامی، دورخی بات، بحث و مباحثہ، دشمنی، گانے، جھوٹ، مدح و تعریف، مذاق، استہزاء، اور غلط بیانی یہ تو زبان کے ایسے مفاسد اور آفات و امراض ہیں جو انسان کے دل کو فاسد اور اس کے دنیا کے چین و سکون کو ختم کر دیتی ہیں اور اس کی آخرت کی کامیابی کو ضائع کر دیتی ہیں۔

بد نگاہی کے مفاسد

زیادتیٔ نظر اور بد نگاہی سے انسان کے اندر جمال پرستی اور عشق مزاجی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور اس راستہ سے اس کے دل میں محبوب کی شکل وصورت بیٹھ جاتی ہے، اس کے بعد اس سے مختلف النوع خرابیاں اور مفاسد جنم لیتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ جیسا کہ مسند میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس کا مفہوم یہ کہ: نظر ابلیس کے زہر آلود تیروں میں سے ایک تیر ہے، جس نے اللہ کے لئے اپنی نگاہ کو نیچی کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس کے دل میں ایک ایسی شیرینی و مٹھاس پیدا فرمائے گا جس کو اپنی عبادت میں محسوس کریگا۔

۲۔ بد نگاہی کی ایک خرابی یہ بھی ہے کہ نگاہ کے ساتھ ہی شیطان بھی داخل ہوتا ہے اور اپنے کام کو اسقدر جلد انجام دیتا ہے جس طرح کسی ویران اور خالی جگہ میں ایک تیز و تند آندھی اپنے اثرات کو چھوڑتی ہے تاکہ اس دیکھی ہوئی صورت کو خوب آراستہ و مزین کر کے اس کیلئے پیش کرے اور اسے اس کے سامنے ایک خوبصورت بُت بنادے کہ رات دن اس کا دل اسی میں گھومتا اور چکر لگاتا رہے، اور پھر اسے شیطان شہوت کی آگ میں جلاتا اور گناہوں کی خشک لکڑیوں میں تپاتا رہتا ہے اور خام آرزوؤں و تمناؤں میں الجھائے رکھتا ہے، اور شیطان اس عظیم کام کو بغیر اس محبوب کی صورت کے انجام نہیں دے سکتا تھا۔

۳۔ اس کی ایک خرابی یہ بھی کہ اس کی وجہ سے آدمی کا دل و دماغ متفرق چیزوں میں بٹ جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے مصالح و منافع کو بھول جاتا ہے اور یہی بد نگاہی

اس کے درمیان حائل ہو کر اس کے معاملہ کو خراب کر دیتی ہے اور اس کو خواہش نفس اور غفلت کا مطیع اور پیرو کار بنا دیتی ہے، جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا، (الکہف:۲۸) اور اس کا کہنا مان جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا کام حد سے بڑھ گیا ہے۔

اور یہ تینوں مفاسد بدنگاہی اور کثرت نظر کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اطبائے ماہرین قلوب کا کہنا ہے کہ: آنکھ اور دل کے درمیان ایک منفذ اور راستہ ہوتا ہے، اگر آنکھ خراب اور فاسد ہو چکی ہے تو اس کا اثر دل پر بھی بالضرور پڑے گا۔ اگر دل گندگیوں اور نجاستوں کا مرکز بن گیا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی معرفت و محبت اور اس کی طرف انابت اور اس سے انس اور اس کے قرب سے سرور و مسرت حاصل نہیں ہو سکتی ہے بلکہ اس دل میں اس کے خلاف چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔

بدنگاہی اور نظر کی آزادی اللہ تعالیٰ کے حکم کی صریح خلاف ورزی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

" قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ "(النور:۳۰) مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں یہ ان کیلئے بڑی پاکیزگی ہے (اور) جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اللہ ان سے خبردار ہے۔

دنیا میں جسے بھی حقیقی سعادت اور سچی مسرت حاصل ہوئی ہے اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے حکموں پر چل کر ہی حاصل ہوئی ہے اور آخرت میں بھی بندے کو

اللہ عزوجل کے اوامر کو مان کر ہی نجات ملے گی۔

بدنگاہی اور آزادیٔ نظر سے دل سیاہ ہو جاتا ہے اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کیلئے غض بصر (نیچی نگاہ) سے دل نور سے منور ہو جاتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے قول قل للمومنين يغضوا من أبصٰرهم" کے بعد "الله نورالسموت والأرض مثل نوره كمشكوٰة فيها مصباح" فرمایا ہے، یعنی "اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایسی ہے گویا ایک طاق ہے جس میں چراغ ہے۔

اور جب دل اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری اور اس کے امتثال امر سے روشن اور مزکی ہو جاتا ہے تو اس پر ہر چہار جانب سے بھلائیوں کا سیلاب امنڈ پڑتا ہے، ایسے ہی اگر وہ معاصی سے تاریک اور گندا ہو گیا ہے تو اس پر ہر طرف سے مصائب وآفات کا یلغار ہوتا ہے۔

اسی طرح بدنگاہی سے دل حق وباطل اور سنت وبدعت کے درمیان تمیز وفرق کرنے سے معطل اور اس کی قوت بصارت ختم ہو جاتی ہے، جیسا کہ اللہ کے لئے غض بصر سے حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، بعض سلف صالحین نے فرمایا ہے: جس نے اپنے ظاہر کو سنت کی اتباع سے اور اپنے باطن کو دوام مراقبہ سے معمور کیا اور اپنی نگاہ کو محارم سے روکا اور اپنے نفس کو شکوک وشبہات سے دور رکھا اور حلال روزی استعمال کیا تو اس کی فراست کبھی خطا اور غلطی نہیں کر سکتی ہے"۔

قانون الٰہی ہے کہ ہر جزا اپنے عمل کے جنس سے ہوا کرتی ہے لہٰذا جس نے اپنی نگاہ کو اللہ کے محارم سے دور رکھا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو اپنا نور بصیرت عطا فرمائیں گے۔

کھانے کی زیادتی کے نقصانات

کم کھانے سے آدمی کے دل میں رقت ونرمی، سریع الفہمی اور منکسر مزاجی پیدا ہوتی ہے اور نفسانی خواہش اور غصہ میں کمی واقع ہوتی ہے اور زیادہ کھانا اس کے برعکس عمل کرتی ہے۔ مقدام بن معدیکرب سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: انسان نے پیٹ سے زیادہ بدتر کوئی تھیلی نہیں بھری، کافی ہے ابن آدم کو چند لقمے کہ سیدھار کھیں اس کی پیٹھ پھر اگر ضرورت ہو اس سے زیادہ کی تو تہائی پیٹ کھانے کیلئے اور تہائی پانی پینے کیلئے اور تہائی دم لینے کیلئے مقدر رکھے۔

شکم سیری بہت سی برائیاں اور خرابیاں پیدا کرنے کا باعث اور سبب ہوتی ہے اور اسی کے نتیجہ میں آدمی کے اندر معاصی کی طرف رغبت اور خواہش پیدا ہوتی ہے اور عبادات وطاعات سے طبیعت بوجھل ہو جاتی ہے، یہی دو برائیاں ایسی ہیں جو آدمی کے برے اور خراب ہونے کے لئے کافی ہیں، اسی سے نہ جانے کتنی معصیت وجود میں آتی ہیں اور کتنی عبادت کرنے سے رہ جاتی ہیں، جو اپنے پیٹ کے شر د برائی سے نجات پا گیا وہ ایک بڑے شر د برائی سے نجات پا گیا، درحقیقت شیطان کا داؤ اور حکم انسان پر اسی وقت خوب تیز چلتا ہے جب اس کا پیٹ کھانے سے بھرا ہوا رہتا ہے، اسی لئے بعض آثار میں آیا ہے کہ ”روزے کے ذریعہ اپنے اوپر شیطان کے دوڑنے کی جگہ کو تنگ کر دو“۔

بعض سلف صالحین نے فرمایا: بنی اسرائیل میں کچھ ایسے نوجوان تھے جو صرف اللہ کی عبادت وریاضت کیا کرتے تھے، جب ان پر کھانا لگایا جاتا، ایک شخص ان کے سامنے کھڑا ہو کر کہتا، ”تم لوگ زیادہ کھانا مت کھاؤ ورنہ تم پانی زیادہ پیو گے، پھر تم زیادہ سوؤ گے، اور پھر بہت گھاٹا اٹھاؤ گے“۔

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام اکثر بھوکے رہتے تھے، اگرچہ یہ بھوک کھانا میسر نہ ہونے کی بنا پر تھی، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کے لئے وہی حالت پسند اور اختیار فرمائے گا جو سب سے اعلیٰ اور افضل حالت ہوگی، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھانے پر قدرت ہونے کے باوجود بھوک میں آپ ﷺ کی مشابہت اختیار کرتے تھے اور یہی معمول ان کے والد کا بھی تھا، صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آل محمدؐ کو مدینہ منورہ آنے کے بعد تین دن متواتر جو کی روٹی پیٹ بھر کھانے کو نصیب نہیں ہوئی یہاں تک کہ آپ انتقال فرماگئے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا: جسے اپنے پیٹ پر قابو حاصل ہوگیا اسے اپنے دین پر قابو حاصل ہوگیا، اور جس نے اپنی بھوک پر غلبہ پالیا اسے اخلاق عالی حاصل ہوگئے، بھوکے آدمی سے اللہ کی معصیت دور رہتی ہے اور شکم سیر سے قریب رہتی ہے۔

لوگوں کے ساتھ زیادہ میل جول رکھنا

یہ ایک ایسی خطرناک بیماری ہے جس سے بہت سی برائیاں وجود میں آتی ہیں اسی کثرت اختلاط سے نہ جانے کتنی نعمتیں خاک میں مل جاتی ہیں، نہ جانے کتنی دشمنیاں پیدا ہوجاتی ہیں اور اس سے دلوں کے اندر ایسے زبردست شگاف پڑ جاتے ہیں کہ جو کبھی دور نہیں ہوتے ہیں، دین اور دنیا کا نقصان الگ ہوتا ہے، لیکن لوگوں کے ساتھ اختلاط اور میل جول رکھنا ضروری بھی ہے، لہٰذا اس کا حل یہ ہے کہ جن لوگوں کے ساتھ اختلاط رکھا جائے ان کی چار قسمیں کرلی جائیں۔ لیکن اگر ان میں باہم گڈمڈ کردیا جائے اور ان کے درمیان فرق وامتیاز قائم نہ رکھا جاسکے تو پھر خرابی اور برائی کا پیدا ہونا ضروری ہے۔

پہلی قسم یہ کہ: ان کے ساتھ میل جول رکھنا بالکل غذا کے مانند ہے کہ کوئی آدمی کبھی بھی رات اور دن میں ان سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتا ہے، جب ان سے ضرورت پوری ہو جائے تو ان کے ساتھ اختلاط کو ترک کر دے اور ضرورت پڑنے پر پھر دوبارہ اختیار کر لے، اور ہمیشہ ایسا ہی کرتا رہے۔ یہ علماء کی جماعت ہے جو اللہ کے امر و نہی، اس کے دشمنوں کے مکر و فریب سے واقف کار، امراض قلوب اور ان کی دواؤں کے جانکار اور اللہ، اس کی کتاب، اس کے رسول اور اس کی مخلوق کے خیر خواہ ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کے ساتھ میل جول قائم رکھنے میں فائدے کے سوا کوئی نقصان نہیں ہے۔

دوسری قسم یہ کہ: ان کے ساتھ اختلاط رکھنا دوا کے مانند ہے، آدمی کو دوا کی ضرورت صرف بیماری کے وقت پڑتی ہے، اسی طرح اگر تم صحیح و سالم ہو تو ان کے ساتھ اختلاط کی کوئی ضرورت نہیں یہ قسم ایسی ہے کہ تم اپنے معاشی مصلحتوں، دنیوی مختلف معاملات اور مشورہ وغیرہ میں جن کی تمہیں ضرورت پڑتی رہتی ہے ان سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتے ہو۔ جب آپ کا میل جول اس سے مضبوط ہو جائے تو وہ ایک خوفزدہ کرنے والی موت کی بیماری کی طرح ہے اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ وہ ایسی اچھی گفتگو نہیں کریں گے جو تم کو فائدہ پہنچائے اور نہ ہی خاموش رہیں گے کہ تم کو فائدہ پہنچے اور نہ اپنے نفس کو پہچانیں گے کہ وہ اس کو اس کی جگہ میں رکھیں بلکہ جب وہ گفتگو کریں گے تو ان کا کلام لاٹھی کی طرح سامعین کے دلوں پر اپنے اچھے اور خوش کن ہونے کے ساتھ ساتھ گرے گا جب اس سے بات کرو تو بولے گا اور گمان کریگا کہ وہ مجلس کو معطر کر رہا ہے اور جب خاموش ہوگا تو چکی کے اس عظیم نصف حصے سے زیادہ بوجھل ہوگا جس کا اٹھانا اور جاری ہونا دونوں ممکن نہیں ہے۔

تیسری قسم یہ کہ: ان کے ساتھ میل جول رکھنا، ان کے فرق مراتب، ان کی قوت وضعف اور ان کے اقسام وانواع کے لحاظ سے مرض وبیماری کے مانند ہے، ان میں سے بعض کے ساتھ اختلاط اور میل جول رکھنا ایک خطرناک اور لاعلاج قدیم بیماری کے مانند ہے اور تم کو ان کی ذات سے نہ تو دین کا فائدہ ہو سکتا ہے اور نہ دنیا کا لیکن اس کے باوجود ان مضرتوں کا برداشت کرنا تمہارے لئے ضروری بھی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ ہر مخالف روح کے ساتھ اختلاط رکھنا ایک عارضی وقتی اور ضروری چیز ہوتی ہے، اس لئے اگر اس قسم کے لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنے کا اتفاق ہو جائے تو چاہئے کہ خوش اخلاقی اور بہتر طور وطریق سے ان کے ساتھ اختلاط رکھا جائے، ظاہری طور پر ان کے ساتھ معاملہ کیا جائے، لیکن دل کو ان سے دور رکھا جائے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس سے اس کے لئے کوئی نکلنے کا راستہ نکال دے، اور اس کے معاملہ میں کشادگی پیدا فرمائے۔

چوتھی قسم یہ کہ: ان کے ساتھ اختلاط پیدا کرنے اور میل جول قائم رکھنے میں ہلاکت وبربادی کے سوا کچھ بھی نہیں اور زہر تناول کرنے کے مانند ہے، اگر زہر کھانے والے کے پاس تریاق موجود ہے تو ٹھیک ورنہ بس اللہ تعالیٰ اس کے لئے تعزیت فرمائے، افسوس یہ کہ یہی طبقہ لوگوں میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ان کی کثرت کو زیادہ نہ کرے۔ یہ بدعتی اور گمراہ لوگوں کا طبقہ ہے جو جادہ سنت رسول اللہ ﷺ سے ہٹ کر اس کے خلاف کی دعوت دیتے ہیں، سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت کرنا ان کا کام ہوتا ہے، ایک عقلمند اور دور اندیش آدمی کیلئے مناسب نہیں کہ ان کے ساتھ میل جول اور اختلاط رکھے، اگر خدانخواستہ ایسا کیا تو اس کے لئے موت یا بیماری لازمی اور ناگزیر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام لوگوں کو اپنی عافیت اور رحمت سے ہم کنار رکھے۔

دلوں کی زندگی کے لئے نفع بخش غذا

یہ بات جان لینی چاہئے کہ بندے کے دل کی زندگی کیلئے اللہ کی عبادتیں ایسی ہی ضروری ہیں جیسے اس کے جسم کی زندگی قائم رکھنے کے لئے کھانا اور پینا، تمام معاصی ایک زہر آلود شئی کے مانند ہیں جو بندے کے دل کو خراب اور برباد کر دیتی ہیں، اللہ کی عبادت سے بندے کو کوئی چھٹکارا نہیں ہے، جس طرح وہ اپنے جسم کی زندگی کے لئے وقتاً فوقتاً نفع بخش غذا پابندی سے لیتا ہے، لیکن اگر اسے یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے غلطی سے زہر کھالیا ہے تو خراب مادے کو اپنے جسم سے باہر نکالنے میں جلدی کرتا ہے، تو اس کے دل کی زندگی کے لئے اس کے جسم کی زندگی کے اہتمام وخیال کرنے سے زیادہ ضرورت ہے کیونکہ اگر جسم کی زندگی کے اہتمام سے دنیا میں ایک خوشگوار اور بیماریوں سے پاک صاف زندگی ملتی ہے، تو دل کی زندگی بننے سے دنیا میں ایک بہت عمدہ زندگی اور آخرت میں ایک لامحدود اور سعادت بخش زندگی نصیب ہوگی، اسی طرح اگر جسمانی موت سے اس کا رشتہ دنیا سے کٹ جاتا ہے، لیکن دل کی موت سے اس کا رنج وغم ہمیشہ باقی رہ جاتا ہے۔

ایک صالح کا قول ہے کہ: "لوگوں سے انتہائی تعجب ہوتا ہے کہ وہ اپنے مرنے والے کے جسم پر تو روتے ہیں لیکن جس کا دل مر گیا ہے اس پر نہیں روتے ہیں حالانکہ دل کی موت زیادہ خطرناک ہے"۔

اور دل ہی کی زندگی سے انسان کی زندگی میں بالیدگی اور اس کی روح میں تابندگی پیدا ہوتی ہے اور دل کی زندگی کے لئے عبادت الٰہی بہت ضروری چیز ہے، اس لئے ہم یہاں پر اللہ کے ذکر، تلاوت قرآن مجید، استغفار، دعاء، درود وسلام اور صلوٰۃ اللیل کو بیان کریں گے۔

ذکر الٰہی اور تلاوت قرآن پاک کی فضیلت

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ذکر الٰہی کی ضرورت دل کے لئے ایسی ہے جیسے مچھلی کے لئے پانی، مچھلی کی حالت اس وقت کیا ہوتی ہے جب اس کو پانی سے باہر نکال دیا جائے، امام ابن قیم رحمہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الوابل الصیب'' میں ذکر کے تقریباً اسی (۸۰) فوائد بیان فرمائے ہیں، اللہ تعالیٰ کی اجازت و مشیت سے ان میں سے کچھ فوائد یہاں پر ہم نقل کرتے ہیں، باقی کے لئے اس کے عظیم فائدے کی خاطر کتاب مذکور کی طرف رجوع کرنے کی نصیحت کرتے ہیں، ذکر کے چند فوائد مندرجہ ذیل ہیں:-

ذکر دلوں اور روحوں کے لئے باعث قوت ہے، آدمی بغیر ذکر کے بغیر قوت و توانائی والے جسم کے مانند ہوتا ہے، ذکر سے شیطان دور بھاگتا ہے اور ذکر سے اس کی قوت و طاقت سلب ہو جاتی ہے اور اس کی کمر ٹوٹ جاتی ہے، اور ذکر سے اللہ عزوجل راضی اور خوش ہوتا ہے اور ذکر دل سے رنج و غم دور کر دیتا ہے۔ اور ذکر سے سچی خوشی و مسرت اور اطمینان حاصل ہوتا ہے، اور ذکر سے دل اور چہرہ منور اور روشن ہوتا ہے۔ اور ذکر سے چہرہ پر وقار، شیرینی اور تروتازگی آتی ہے، اور ذکر سے اللہ کی محبت، اس کا تقویٰ اور اس کی طرف انابت پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح ذکر سے بندے کو اللہ تعالیٰ کے یاد کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: (فاذكروني اذكركم) البقرہ، ۱۵۲) ''تم مجھے یاد کرو تو میں تمہیں یاد کروں گا''۔

اگر ذکر کی صرف یہی (یعنی بندے کو اللہ کے یاد کرنے کی) خصوصیت ہو تو اس کے فضیلت اور شرف ہونے کے لئے کافی ہے، اور ذکر سے غفلت دور ہوتی ہے اور خطائیں مٹ جاتی ہیں۔

اور ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے ذکر سب سے آسان عبادات میں سے ہے،

اور اللہ تعالیٰ نے ذکر پر جو اپنے فضل و بخشش کا وعدہ مرتب فرمایا ہے وہ کسی دیگر چیز پر مرتب نہیں فرمایا ہے، جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من قال لاإله إلا الله وحده لاشريك له، له الملك وله الحمد، وهو على كل شيء قدير في اليوم مائة مرة كانت له عدل عشرة رقاب، وكتبت له مائة حسنة، ومحيت عنه مائة سيئة، وكانت له حرزاً من الشيطان يومه ذلك حتى يمسي، ولم يات أحد بأفضل مماجاء به الارجل عمل اكثرمنه" (بخاری دعوات (۱۱/۲۰۱) میں اور مسلم ذکر و دعا (۱۷/۱۶) میں لیکن لفظ بخاری کے ہیں۔

جو شخص لاالہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد، وھو علی کل شئی قدیر کو دن میں ۱۰۰ مرتبہ پڑھ لے تو اس کے لئے دس گردنوں کے آزاد کرنے کے برابر ثواب ہوگا، اور اس کے لئے سو نیکیاں لکھ دی جائیں گی اور اس کی سو برائیاں مٹا دی جائیں گی اور وہ اس دن شیطان سے محفوظ رہے گا یہاں تک کہ وہ شام کرے اور وہ عمل کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے افضل ہوگا ہاں اگر کوئی شخص اس کو اس سے زیادہ پڑھ لے (تو بات الگ ہے)

ترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس نے سبحان اللہ وبحمدہ کہا اس کے لئے جنت میں ایک کھجور کا درخت پیدا ہو گیا (ترمذی حدیث حسن غریب صحیح) دعوات ۹/۳۲۳)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "میرے نزدیک اللہ کی تسبیحات پڑھنا

زیادہ محبوب عمل ہے اس بات سے کہ اتنی مقدار اللہ کے راستہ میں دینار خرچ کروں"۔

ذکر الٰہی دلوں کی سختی کے لئے دواء ہے، جیسا کہ ایک شخص نے حضرت حسن بصریؒ سے عرض کیا: ابو سعید میں آپ سے اپنے دل کی سختی کی شکایت کرتا ہوں، فرمایا: "اس سختی کو ذکر الٰہی سے پگھلا دو (یعنی نرم کر دو) حضرت مکحول رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا: "اللہ کا ذکر باعث شفا ہے، اور لوگوں کا ذکر باعث بیماری ہے"۔ ایک شخص نے حضرت سلمانؓ سے دریافت کیا: اعمال میں کونسا عمل زیادہ افضل ہے، فرمایا: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے ہو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ولذكر الله اكبر "یعنی اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے"۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"مثل الذى يذكر ربه والذى لايذكر ربه مثل الحى والميت" "اس شخص کی مثال جو اللہ کو یاد کرتا ہے اور اس شخص کی مثال جو اللہ کو یاد نہیں کرتا، زندہ اور مردہ کی سی ہے"۔ بخاری دعوات (۱۱/۲۰۸)

ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ابواب خیر بہت وسیع ہیں، میں تمام اچھائیوں پر عمل نہیں کر سکتا ہوں، اس لئے آپ چاہیں تو مجھے ایسی چیز بتلا دیجئے جس کو میں مضبوطی سے پکڑ لوں اور اتنی زیادہ نہ ہو کہ میں اسے بھول جاؤں، فرمایا: چاہئے کہ تمہاری زبان ہمیشہ ذکر الٰہی سے تر رہے" صحیح ترمذی دعوات (۹/۳۱۴)

دوام ذکر الٰہی سے بندے کے لئے قیامت کی حاضری اور اس کے احوال کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اسی ذکر سے اسے لغو کلام، چغلخوری اور غیبت وغیرہ سے چھٹکارا ملتا ہے۔

آدمی کی زبان یا تو اللہ کا ذکر کرتی ہے یا دروغ گوئی میں مصروف رہتی ہے، پس جس پر اللہ کے ذکر کا دروازہ کھل گیا حقیقتاً اس پر اللہ عزوجل پر داخل ہونے کا دروازہ کھل گیا، لہٰذا اس کو بھی چاہئے کہ اپنی زبان کو (اللہ کے ذکر سے) خوب پاک صاف بنائے اور اللہ پر داخل ہو، اللہ کے یہاں وہ ہر چیز پائے گا جس کا وہ ارادہ کرے گا کیونکہ جس کو اللہ رب العزت مل گیا اس کو ہر چیز مل گئی اور جس کو اللہ رب العزت نہ ملا اس کو کوئی چیز نہ ملی۔

ذکر کے انواع واقسام

کبھی ذکر اللہ کے اسماء وصفات اور اس کی مدح وتعریف کا ہوتا ہے جیسے "سبحان اللہ، الحمد للہ، اور لا الہ إلا اللہ" اور کبھی کبھی ذکر اللہ کے اسماء وصفات کے احکام کے بارے میں خبر دے کر کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اللہ عزوجل اپنے بندوں کی آوازوں کو سنتا ہے اور ان کی حرکتوں کو دیکھتا ہے، اور ذکر میں سے اس کے امر اور نہی کا ذکر ہے، جیسے تم کہتے ہو اللہ تعالیٰ نے اس طرح حکم دیا ہے اور اس طرح منع کیا ہے۔

اور اس کے ذکر میں سے اس کی نعمتوں اور اس کے احسان وفضل کو یاد کرنا بھی ہے، اور ذکروں میں سب سے افضل ذکر قرآن مجید کا پڑھنا ہے، کیونکہ قرآن میں دل کی ساری بیماریوں کا مکمل علاج اور شفا کا سامان موجود ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (سورة يونس، ٥٧)

"اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی ہے اور دلوں کے روگ کی شفا اور مسلمانوں کے واسطے ہدایت اور رحمت ہے"۔

اور اللہ عزوجل نے فرمایا:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (بنی اسرائیل: ۸۲) ”ہم قرآن میں سے اتارتے ہیں جس سے روگ دفع ہوں اور ایمان والوں کے واسطے رحمت ہو“۔

امراض قلب کے لئے دو ایسی چیزیں ہیں جو تمام بیماریوں پر حاوی اور شامل ہیں، یعنی وہ شبہات اور شہوات ہیں، قرآن مجید میں ان دونوں بیماریوں کے لئے مکمل طور پر سامان شفا اور علاج موجود ہے، قرآن مجید میں ایسے زبردست دلائل اور قطعی براہین موجود ہیں جن سے حق اور باطل کے درمیان فرق واضح ہو جاتا ہے اور حقائق پوری طرح اجاگر ہو جاتے ہیں اور شکوک کی بیماریاں جو علم، تصور اور ادراک کو فاسد کر دیتی ہیں قرآن انہیں قلع قمع کر دیتا ہے۔

قرآن مجید جو بھی غور وفکر سے پڑھے گا اور اسے اپنے دل کی پنہائیوں میں رچا بسا دے گا تو اس پر حق اور باطل منکشف ہو جائے گا اور اس پر حق و باطل رات دن کے مانند متمایز ہو جائے گا۔ قرآن کا شہوتوں کی بیماری کے لئے باعث شفا ہونا اس لئے ہے کہ اس میں دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی ترغیب کی زبردست حکمت اور دانائی کی باتیں موجود ہیں۔

رسول اللہ ﷺ سے حدیث صحیح مروی ہے کہ ”جسے یہ بات خوش کرے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرے تو اسے قرآن دیکھ کر پڑھنا چاہئے“۔ (ضعیف بلکہ منکر ہے)

اور قرآن بندے کے لئے اللہ کے قرب کا سب سے بڑا ذریعہ اور سبب ہے جیسا کہ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم سے جہاں تک ہو سکے اللہ کا قرب

تلاش کرو، اور یہ جان لو تم کو اللہ تعالیٰ کا قرب جتنا اس کے محبوب کلام (قرآن) سے مل سکتا ہے اس کے سوا دوسری چیزوں سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جس نے قرآن سے محبت رکھا اس نے درحقیقت اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت کیا"۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اگر تمہارے قلوب پاک اور بے غبار ہوتے تو انہیں یقیناً تمہارے پروردگار کے کلام سے کبھی آسودگی و سیری نہ ہوتی"

سب کا ماحصل یہ کہ بندے کے لئے سب سے زیادہ نفع اور فائدے کی چیز اللہ کا ذکر ہے اور ذکر میں سب سے افضل قرآن مجید کا پڑھنا ہے۔

"أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ" (الرعد: ٢٨) "اور جان لو کہ اللہ کی یاد سے قلوب آرام پاتے ہیں۔"

لہٰذا سب سے افضل ذکر قرآن کا پڑھنا ہوا۔

استغفار کرنے کی فضلیت

استغفار اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی طلب کرنے کا نام ہے۔ یعنی معاصی کے شر و برائی سے محفوظ رہنے اور ان کے پردۂ خفا میں رہنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے انتہائی گریہ وزاری کے ساتھ درخواست کرنا بھی ہے، اور قرآن میں استغفار کا ذکر بکثرت موجود ہے پس کبھی اللہ عزوجل استغفار کرنے کا بندوں کو حکم فرماتے ہیں جیسے اللہ نے فرمایا:

وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (المزمل: ٢٠) اور اللہ سے مغفرت طلب کرو یقیناً اللہ بہت مغفرت کرنے والا اور بہت رحیم ہے۔

اور کبھی اللہ عزوجل استغفار کرنے والوں کی مدح وتعریف فرماتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ" (آل عمران: ۱۷) اور وہ پچھلی رات میں گناہ بخشوانے والے ہیں۔

اور اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ جو بندہ اس سے مغفرت طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرماتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (النساء: ۱۱۰) جو شخص برائی کرے یا اپنے نفس پر ظلم کرے پھر اللہ سے مغفرت طلب کرے تو وہ اللہ کو بخشنے والا اور مہربان پائے گا۔

استغفار کرنے کا ذکر اکثر جگہوں پر توبہ کے ساتھ ہوا ہے تو اس وقت استغفار سے مراد زبان سے مغفرت طلب کرنا ہے۔

توبہ سے مراد دل اور اعضاء دونوں سے گناہوں کو چھوڑ دینا ہے، اور استغفار کا حکم دعا کی مانند ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے قبول فرمالے اور توبہ کرنے والے کی مغفرت فرمادے، خاص طور پر جب گناہوں سے ٹوٹے ہوئے دل سے نکلے یا قبولیت کی گھڑیوں میں سے کوئی گھڑی مل گئی ہو، جیسے پچھلی رات یا نماز کے بعد کے اوقات۔

حضرت لقمانؑ اپنے صاحبزادے سے فرماتے: اے لڑکے اپنی زبان کو "اللھم اغفرلی" کا خوب عادی بنالے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ ایسے اوقات ہیں کہ ان میں کسی طالب کی طلب واپس نہیں کی جاتی، حضرت حسن بصریؒ فرماتے۔ اے لوگو!" اپنے گھروں، اپنے دستر خوانوں، اپنے راستوں، بازاروں اور مجلسوں میں اور جہاں کہیں بھی

رہو کثرت کے ساتھ استغفار پڑھتے رہو کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کی مغفرت کو نہیں جانتے ہو کہ کب (اپنے بندوں پر) نازل ہو"۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا: کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"واللہ انی لاستغفر اللہ واتوب الیہ في اليوم اكثر من سبعين مرة". (بخاری دعوات (۱۰۱/۱۱)

"خدا کی قسم میں اللہ تعالیٰ سے دن میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ استغفار اور توبہ کرتا ہوں"۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "جب کوئی بندہ گناہ کرتا ہے، اس کے بعد وہ کہتا ہے، اے پروردگار میں نے گناہ کیا ہے آپ اس کو معاف فرما دیجئے، اس کا پروردگار کہتا ہے کیا میرا بندہ یہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ کو معاف کرتا ہے اور اس سے پکڑتا بھی ہے؟ پس میں نے اپنے بندہ کو معاف کر دیا۔ پھر اللہ کو جتنا منظور ہوتا ہے گناہ سے وہ باز رہتا ہے، پھر وہ کوئی گناہ کرتا ہے، کہتا ہے اے پروردگار میں نے ایک دوسرا گناہ کر لیا، آپ اس کو معاف فرما دیجئے۔ اللہ فرماتا ہے کیا میرا بندہ یہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی پروردگار ہے جو گناہ کو معاف کرتا ہے اور اس سے پکڑتا بھی ہے؟ میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا، پھر اللہ کو جتنا منظور ہوتا ہے وہ گناہ سے باز رہتا ہے، پھر کوئی گناہ کرتا ہے، کہتا ہے اے میرے رب میں نے ایک تیسرا گناہ (بھی) کر لیا، آپ اس کو معاف فرما دیجئے، اللہ فرماتا ہے کیا میرا بندہ یہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی پروردگار ہے جو گناہ کو معاف کرتا ہے اور اس سے پکڑتا بھی ہے؟ میں نے اپنے بندہ کو تیسری مرتبہ

(بھی) معاف کر دیا"

اور مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ بندہ جب تک اس حالت پر باقی رہے یعنی جب گناہ کرے تو اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی طلب کرے، اور ظاہر ہے کہ اس سے مراد وہ استغفار ہے جو بندہ کے گناہ پر اصرار کے ساتھ وابستہ نہ ہو، بخاری توحید (۱۳/۴۶۶) و مسلم ذکر اور دعا (۱۷/۷۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"طوبیٰ لمن وجد فی صحیفته استغفاراً کثیراً "مبارکباد ہے وہ شخص جو اپنے اعمال نامہ میں استغفار بہت زیادہ پائے"۔ ابن ماجہ نے ادب میں مرفوعاً (۱۲۵۴) عبداللہ بن بسر سے تخریج کی ہے۔

کلام کا حاصل یہ کہ معاصی اور گناہوں کی دوا استغفار ہے۔

حضرت قتادہؒ نے فرمایا: "یہ قرآن مجید ایسی کتاب ہے جو تمہاری بیماری اور تمہاری دوا دونوں ہی کو بتلاتا ہے، تمہاری بیماری تو تمہارے گناہ ہیں اور تمہاری دوا استغفار ہے"۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: "اللہ عزوجل کسی (اپنے) بندے پر استغفار کا الہام فرما کر اس کو عذاب دینا نہ چاہے گا"۔

دعا کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن: ۶۰) مجھ کو پکارو میں تمہاری پکار کو قبول کروں گا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں دعا کرنے کا حکم فرمایا ہے، اور اس کے قبول کرنے کا ہم سے

وعدہ بھی فرمایا ہے اور اس آیت کے بعد اللہ نے فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ (المؤمن، ٦٠) ”جو میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں عنقریب جہنم میں ذلت کے ساتھ داخل ہوں گے“۔

پیہم جود و سخا اور صاحب کرم و بخشش اللہ عظیم اور پاک و بے عیب کی کیسی عجیب وانوکھی شان ہے کہ اس نے اپنے بندوں کی ضروریات اور ان کے تقاضے و حوائج کے پورا کیے جانے کے سوال کو عبادت بنادیا اور اس سے اپنی ضروریات نہ مانگنے پر سخت ترین ذم و برائی کے الفاظ سے یاد کیا ہے اور فرمایا وہ بندہ بہت متکبر اور سرکش ہے جو اللہ کے آگے دست سوال دراز نہیں کرتا۔

امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث تخریج کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”من لم يسأل الله يغضب عليه“ جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس پر غصہ فرماتے ہیں۔

عربی شاعر نے کتنی عمدہ بات کہی ہے۔

لاتسألن بني آدم حاجة تم بنی آدم سے ہرگز اپنی ضرورت کے متعلق سوال
وسل الذي أبوابه لاتحجب مت کرو۔اور اس ذات سے مانگو جس کا دروازہ بند
الله يغضب ان تركت سواله نہیں ہوتا ہے۔اللہ سے اگر مانگنا چھوڑ دو تو وہ ناراض
وإذا سألت بني آدمي يغضب ہوتے ہیں۔اور اگر بنی آدمی سے سوال کرو تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ (النمل: ٦٢)

کون بے قرار کی التجا کو قبول کرتا ہے جب وہ اس سے دعا کرتا ہے اور (کون) (اس کی) تکلیف کو دور کرتا ہے اور (کون) تم کو زمین میں (اگلوں کا) جانشین بناتا ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ (سورة البقرة: ١٨٦)

"اور جب تجھ سے میرے بندے مجھ کو پوچھیں سو میں تو قریب ہوں دعا مانگنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں جب مجھ سے دعا مانگیں تو چاہئے کہ وہ حکم میرا مانیں اور مجھ پر یقین لائیں تاکہ نیک راہ پر آئیں"۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"الدعاء هو العبادة" دعا عبادت کا نام ہے۔ پھر آپ نے اس آیت شریفہ کی تلاوت فرمائی:

"وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ (المؤمن، ٦٠)

"اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ کو پکارو میں تمہاری پکار کو قبول کروں گا اور جو میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں عنقریب جہنم میں ذلت کے ساتھ داخل ہوں گے"۔

مندرجہ بالا آیات کی روشنی میں اور اسی طرح مندرجہ ذیل احادیث سے جو صحت شرائط پوری ہو جائیں تو دعا کے مقبول ہونے پر قطعیت ہو جاتی ہے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ان الله حي كريم يستحي إذا رفع الرجل يديه أن يردهما صفراً خائبتين" (رواہ ابوداؤد والترمذی وقال حدیث حسن)

اللہ تعالیٰ حیادار اور بہت سخی ہے جب آدمی اپنے ہاتھوں کو اس کے آگے اٹھاتا ہے تو اس کو اس بات سے شرم آتی ہے کہ انہیں نامراد اور خالی ہاتھ واپس لوٹا دے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لاتعجزوا في الدعاء فإنه لن يهلك مع الدعاء أحد" (ابن حبان وحاكم)

دعا کرنے کی صورت میں عاجز مت ہوا کرو کیونکہ کوئی شخص دعا کے ساتھ ہرگز ہلاک نہیں ہوسکتا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مامن مسلم يدعو بدعوة ليس فيها إثم ولا قطيعة رحم إلا أعطاه الله بها احدى ثلاث: إما أن يعجل له دعوته ، واما أن يدخرها له في الآخرة، واما أن يصرف عنه من السوء مثلها".(أخرج احمد، البزار، وابويعلى بأسانيد جيدة، والحاكم وقال صحيح الاسناد)

کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو کوئی دعا مانگتا ہو جس میں کوئی گناہ اور رشتہ داری کاٹنے کی بات نہ ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اسے ان تین چیزوں میں سے کوئی چیز عطا فرمائے گا۔ یا تو اس کی دعا کو (فی الوقت) جلدی قبول کرے گا یا دعا کو اس کے لئے ذخیرہ آخرت کے لئے چھوڑ رکھے گا۔ یا اس سے اس جیسی کوئی برائی دور فرمائے گا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"أنا لاأحمل هم الإجابة ولكن أحمل هم الدعاء فمن ألهم الدعاء فإن الإجابة معه"

مجھے قبولیت دعا کی فکر نہیں رہتی (ہاں) البتہ دعا کی ضرور فکر رہتی ہے کیونکہ جسے دعا کی توفیق مل گئی قبولیت واجابت تو اس کے ساتھ ضرور ہے۔

دعا کرنے کے آداب

دعا کے لئے افضل اور مبارک ترین اوقات کا انتظار کرنا چاہئے جیسے سال میں عرفہ کا دن، مہینوں میں رمضان کے ایام، ہفتہ میں جمعہ کا دن اور رات میں سحر کا وقت۔

اور اسی طرح دعا کے لئے مبارک اور افضل اوقات سے فائدہ اور غنیمت حاصل کرنا چاہئے جیسے بارش کے اوقات، لشکر کے دشمنوں کی طرف بڑھنے کے وقت اور سجدہ کی حالت میں، جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اقرب مايكون العبد من ربه وهو ساجد فاكثروا من الدعاء". (مسلم)(٤/٢٠٠)

"بندے کا اللہ سے قرب سب سے زیادہ اس کے سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے لہذا سجدہ میں خوب دعا کیا کرو"۔

اور اسی طرح دعا اذان اور اقامت کے درمیان کرنی چاہئے، جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"الدعاء بين الاذان والاقامة لايرد" (ترمذی: نماز میں (١/٦٢٤)

"اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی ہے"۔

دعا انتہائی جزم اور پختہ ارادہ کے ساتھ کرنی چاہئے، اور دعا کی قبولیت پر اسے یقین

کی کیفیت ہو، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لایقولن احدکم اللهم اغفرلی ان شئت، اللهم ارحمنی ان شئت، لیعزم المسألة فانه لامستکره له". (متفق علیه)

"تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ اے اللہ اگر آپ چاہیں تو مجھے معاف فرمائیں، اے اللہ اگر آپ مجھ پر رحم کرنا چاہیں تو رحم کریں، بلکہ اسے اپنی بات کو پختہ ارادہ کے ساتھ کہنی چاہیے، کیونکہ وہ اس کو ناگوار نہیں سمجھ رہا ہے"۔

اور دعا طہارت اور قبلہ رخ ہو کر کرے، دعا کے کلمہ کو تین تین بار کہے، (مسلم جہاد) (۱۵۲/۱۲) اور دعا اللہ عزوجل کی حمد وثنا، اس کے اسماء وصفات، اس کی نعتوں کی تعریف ومدح اور نبی ﷺ پر درود وسلام بھیج کر شروع کرے، اس کے بعد اپنی ضرورت اللہ تعالیٰ سے بیان کرے، پھر اسی طرح اللہ عزوجل کی حمد وثنا اور درود وسلام کے ساتھ دعا کو ختم کرے۔

اور اس کی روزی حلال اور طیب ہو، کسی گناہ کی بات کے لئے اور قطع رحم (رشتہ کاٹنے) کیلئے بھی دعا نہ کرے۔

دعا کی قبولیت کے لئے جلدی نہ کرے اور یہ نہ کہے کہ میں نے دعا کی لیکن اللہ نے قبول نہ کی، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"یستجاب لأحدکم مالم یعجل یقول، دعوت فلم یستجب لي" (بخاری دعوات ۱۱/۱۴۰)

تم میں سے ہر ایک کی دعا قبول ہوتی ہے، جبتک کہ وہ جلدی نہ کرے، اور وہ یہ کہے کہ میں نے دعا کی لیکن قبول نہ ہوئی۔

ابن بطال نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اکتا جاتا ہے بس دعا کرنا چھوڑ دیتا ہے گویا کہ

وہ دعا کر کے احسان جتلا رہا ہے یا یہ کہ اس نے ایسی دعا کی جو کہ قبولیت کی مستحق تھی تو وہ اللہ رب العزت کو عیب لگانے والا ہو جاتا ہے جس رب کو قبولیت عاجز نہیں کر سکتی اور نہ ہی دنیا اس کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔

اس حدیث میں دعا کے آداب کو بیان کیا گیا ہے کہ دعا کرنے والا ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے اپنی طلب ودرخواست کرتا ہے اور دعا کی قبولیت سے کبھی وہ مایوس اور ناامید نہ ہو، کیونکہ اس کے اندر بندگی، اطاعت وتسلیم اور انقیاد اور محتاجگی کا اظہار ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی درجہ محبوب ترین چیز ہے۔

درود وسلام کی فضیلت

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من صلى على واحدة صلى الله عليه عشراً" مسلم صلاة (٤/١٢٨) جو مجھ پر ایک مرتبہ صلوۃ (درود) بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ صلاۃ (درود) بھیجے گا۔

نبی ﷺ پر ایک مرتبہ صلاۃ (درود) بھیجنے سے اس پر اللہ تعالیٰ دس بار صلاۃ (درود) بھیجتے ہیں، اور یہ اس لئے کہ ایک نیکی کرنے سے وہ دس گنا ہو جاتی ہے، اور ظاہر بات ہے کہ نبی ﷺ پر صلاۃ رحمت بھیجنا نیکی ہی نہیں بلکہ بہت بڑی نیکیوں میں سے ہے۔

ابن عربیؒ نے فرمایا: اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"من جاء بالحسنة فله عشر امثالها" "جو کوئی نیکی لاتا ہے تو اس کے لئے دس گنا ہے"

لہٰذا اس حدیث کا فائدہ کیا ہوا؟ ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ ایک بڑا فائدہ یہ کہ قرآن کریم کی رو سے جو ایک نیکی کرتا ہے اس کے لئے اس کا دس گنا ہے، اور نبی ﷺ

پر صلاۃ رحمت بھیجنا بھی ایک عظیم نیکی کا کام ہے اور قرآن کے مطابق اس کے لئے جنت میں دس درجہ ہوں گے۔ اور اللہ عزوجل نے فرمایا کہ جو اس کے رسول ﷺ پر ایک مرتبہ کا صلاۃ بھیجے گا اللہ اس پر دس مرتبہ اپنا صلاۃ (درود) بھیجے گا، اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کو یاد رکھنا اس کی دو چند نیکیوں سے بڑھ کر ہے، اور یہ بات اس طرح ثابت ہوتی ہے کہ اللہ نے اس کے یاد کرنے کا بدلہ صرف اسے اپنا یاد کرنا قرار دیا ہے اور اسی طرح اس کے نبی کے یاد کرنے کا بدلہ اس کو اللہ کا یاد کرنا ہوتا ہے۔

علامہ عراقی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے صرف اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دے گا اور اس کے دس گناہ مٹا دے گا اور اس کے دس درجے بڑھا دے گا جیسا کہ ایک روایت میں ہے

" من صلى علي صلوة واحدة صلى الله عليه عشر صلوات وحطت عنه عشر خطيئات و رفعت له عشر درجات" (احمد، نسائی اور ابن حبان)

یعنی جو مجھ پر ایک مرتبہ صلاۃ (درود) بھیجے گا اللہ اس پر دس صلواتیں بھیجے گا اور اس کی دس خطائیں مٹا دی جائیں گی اور اس کے دس درجے بڑھا دیئے جائیں گے۔

اور ایک روایت کے اندر "فليصل علي" کے الفاظ آئے ہوئے ہیں جن سے وجوب پر استدلال ہوتا ہے، اور ایک دوسری حدیث سے بھی اس کی قوی تائید ہوتی ہے، الفاظ حدیث یہ ہیں:۔

"البخيل من ذكرت عنده فلم يصل علي"

"بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے تو وہ مجھ پر صلاۃ (درود) نہ بھیجے"۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان لله ملائكة سياحين يبلغوني عن امتي السلام (احمد ۱/۳۸۷) "اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جو دنیا کا چکر لگاتے رہتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں"۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ نے فرمایا:

"ان أولى الناس بي يوم القيامة اكثرهم علي صلوٰة" قیامت کے دن میری شفاعت کے سب سے زیادہ مستحق مجھ پر کثرت سے صلاۃ (درود) بھیجنے والے ہوں گے۔ (ترمذی، ابن حبان)

رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ (درود) بھیجنے کی کثرت جمعہ کے دن کرنا افضل اور مستحب ہے، کیونکہ حضرت اوس ابن اوس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے دنوں میں سے سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے، اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن وفات پائے اور اسی دن صور ہوگا اور اسی دن آواز اور گرج ہوگی، لہٰذا جمعہ کے دن کثرت سے مجھ پر صلاۃ (درود) بھیجا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کردیا جاتا ہے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ہمارا صلاۃ آپ پر کس طرح پیش کیا جائے گا جبکہ آپ کا جسم اطہر مٹی میں ملکر بوسیدہ ہو چکا ہوگا۔ فرمایا: اللہ عزوجل نے مٹی پر یہ بات حرام قرار دے دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھاسکے۔ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

باقی رہا رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ کا صیغہ (یعنی اس کے الفاظ) کیا ہوگا، تو مسلم میں حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ہم لوگ سعد بن عبادہ کی مجلس میں موجود تھے بشیر بن سعد نے آپ سے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے ہم کو آپ ﷺ پر صلاۃ (درود) بھیجنے کا حکم فرمایا ہے تو کس طرح آپ پر ہم لوگ صلاۃ بھیجا کریں، راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے یہاں

تک کہ ہم تمنا و آرزو کرنے لگے کہ بشیر بن سعد آپ سے یہ سوال نہ کرتے، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہو "اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد، کما صلیت علی آل ابراھیم، وبارك علی محمد، وعلی آل محمد، کما بارکت علی آل ابراھیم فی العالمین، انك حمید مجید، اور طریقہ سلام جیسا کہ تم نماز میں سیکھ چکے ہو۔

نماز تہجد کی فضیلت

نماز تہجد کی فضیلت کے متعلق آیات شریفہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ (المزمل: ٢٠) "بیشک تیرا رب جانتا ہے کہ تو دو تہائی رات اور آدھی اور تہائی رات کے نزدیک اٹھتا ہے"۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا (الفرقان: ٦٤) اور وہ لوگ جو اپنے رب کے لئے سجدہ میں اور کھڑے ہو کر رات گزارتے ہیں۔

احادیث مبارکہ: جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أفضل الصلاة بعد المكتوبة قيام الليل (متفق عليه) (١) نماز فرائض کے بعد سب سے افضل نماز تہجد ہے۔

صحیحین (٢) اور ان کے علاوہ میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز عشاء سے فارغ ہونے کے بعد سے فجر تک گیارہ رکعتیں پڑھتے اور

(١) بلکہ اس حدیث کی تخریج کرنے میں امام مسلم منفرد ہیں، امام بخاری نے تخریج نہیں کی ہے مسلمؒ نے کتاب الصیام (٨/٥٤) میں روایت کیا ہے۔

(٢) امام بخاری نے کتاب الوتر (٤/٧٨/٢) اور امام مسلم نے کتاب المسافرین (٦/١٦) میں روایت کیا ہے۔

ہر دو رکعت کے درمیان سلام پھیرتے اور وتر ایک رکعت پڑھتے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ آپ کی مجلس میں ایک ایسے شخص کا تذکرہ ہوا جو ساری رات سوتا ہے اور اسی حالت میں صبح کرتا ہے، آپ نے فرمایا یہ ایسا شخص ہے کہ شیطان اس کے کانوں میں پیشاب کرتا ہے (متفق علیہ حدیث ابن مسعودؓ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے ہر ایک کی پشت پر جب وہ سوتا ہے شیطان تین گرہیں لگا دیتا ہے (اور) وہ تمہاری ہر گرہ کی جگہ پر تھپکی دیتا ہے کہ رات لمبی ہے سو جاؤ، (لیکن) اگر وہ بیدار ہو کر اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے اور اگر وضو کر لیتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور اگر نماز پڑھ لیتا ہے تو تیسری گرہ (بھی) کھل جاتی ہے، اور وہ چستی اور پاکیزہ نفس کے ساتھ صبح کرتا ہے ورنہ تو کاہلی اور غیر پاکیزہ نفس کے ساتھ صبح کرتا ہے"۔ (متفق علیہ)(۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی آنکھ جب رات میں کھلتی اور آپ عبادت الٰہی کے لئے کھڑے ہوتے تو لوگ آپ سے ایک ایسی آواز سنتے جو شہد کی مکھی کی آواز کی طرح ہوتی تھی، یہاں تک کہ آپ اسی حالت میں صبح فرماتے۔

حضرت حسنؒ سے دریافت کیا گیا: کیا بات ہے کہ تہجد پڑھنے والوں کے چہرے سب سے زیادہ روشن اور پر رونق ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: کیونکہ انہیں عبادت میں اللہ کے ساتھ تنہائی نصیب ہوتی ہے۔ اس وجہ سے انہیں بھی اللہ کے کچھ نور کے حصہ سے فیضیاب کر دیا جاتا ہے۔

---

(۱) امام بخاری نے کتاب التہجد (۳/۲۸) اور امام مسلم نے کتاب المسافرین (۶/۶۳) میں روایت کیا ہے

اور حضرت حسن نے فرمایا: آدمی کوئی گناہ کرتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ رات میں عبادت الٰہی سے محروم ہو جاتا ہے۔

کسی شخص نے کسی بزرگ آدمی سے عرض کیا کہ میں رات میں اٹھ کر نماز تہجد نہیں پڑھ پاتا ہوں، لہٰذا آپ مجھے اس کے لئے کوئی ترکیب بتا دیجئے، فرمایا: تم دن میں اللہ کی نافرمانی کرنے سے باز آ جاؤ تو وہ تم کو رات میں اپنے آگے عبادت کرنے کی توفیق بخشے گا۔

حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ میں پانچ مہینوں سے نماز تہجد پڑھنے سے محروم ہو گیا ہوں اور اس کی وجہ یہ کہ میں نے ایک گناہ کر لیا تھا۔ ابن مبارک نے کہا ہے جب رات تاریک ہوتی ہے تو وہ اس کی مشقت کو برداشت کرتے ہیں تو گویا کہ (ان کے لئے) صبح ہوتی ہے حالانکہ وہ نیند میں ڈوبے تھے۔ تو خوف نے ان کی نیند کو اڑا دیا اور وہ کھڑے ہو گئے (اللہ کیلئے) حالانکہ مامون لوگ دنیا (دنیاداری) میں غافل ہیں۔

حضرت ابو سلیمانؒ نے فرمایا کہ شب بیدار لوگوں کو اپنی عبادت کی شب بیداری میں کھیل و کود میں مشغول رہنے والوں سے کہیں زیادہ لذت حاصل ہوتی ہے، نیز آپ نے فرمایا: اگر رات نہ ہوتی تو مجھے دنیا میں زندہ رہنے کی کوئی خواہش نہ ہوتی۔

حضرت ابن منکدرؒ نے فرمایا: دنیا میں لذت صرف تین چیزوں کی وجہ سے باقی ہے، ۱۔ قیام اللیل، (یعنی نماز تہجد)، ۲۔ بھائیوں کی ملاقات، ۳۔ اور جماعت سے نماز کی ادائیگی۔

دنیا سے بے رغبتی

حضرت ابو عباس سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل بتا دیجئے جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت فرمائیں اور لوگ بھی مجھ سے محبت کریں اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ازهد في الدنيا يحبك الله، وازهد فيما عند الناس يحبك الناس(۱) "دنیا سے بے رغبتی اختیار کر، اس عمل کے باعث اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت فرمائیں گے، اور لوگوں کے قبضہ میں جو کچھ ہے اس سے توجہ ہٹا لے لوگ تجھ سے محبت کرنے لگیں گے"۔ (ابن ماجہ)

اس حدیث پاک سے صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا سے بے رغبت اور تعلق نہ رکھنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں، تارک الدنیا والوں کا کہنا ہے کہ اگر اللہ کی محبت افضل ترین مقامات میں سے ہے تو زہد فی الدنیا افضل ترین احوال میں سے ہے۔

"زہد" کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ رغبت کا کسی چیز سے ہٹ کر اس سے اچھی چیز کی طرف مائل ہو جانا ہے، اس حال کا ثمرہ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کو اپنی موجود اور غیر موجود دونوں چیزوں سے حقارت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ

(۱) حسن: امام نووی نے ریاض الصالحین رقم (۴۷۵) میں حدیث حسن کہا ہے اور امام ابن ماجہ اور ان کے علاوہ نے بھی اس حدیث کو اسانید حسنہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ پائیدار اور لافانی ہے اور آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے جیسا کہ جوہر برف کے مقابلہ میں بہتر اور باقی رہنے والا ہے، اور پھر دنیا اس کی نظر میں اس برف کے مانند ہو جاتی ہے جو دھوپ کی گرمی سے پگھل پگھل کر ختم ہوتا رہتا ہے، اور آخرت اس کی نگاہ میں جوہر کے مانند ہو جاتی ہے، جس میں فنا اور زوال کا کوئی سوال نہیں اور دنیا اور آخرت کے درمیان فرق پر یقین پیدا ہونے سے ہی آخرت کی طرف رغبت زیادہ ہوتی ہے، قرآن زہد فی الدنیا والوں کی تعریف اور اس سے رغبت رکھنے والوں کی مذمت و برائی کرتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى "(اعلیٰ: ۱۶، ۱۷) بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو اور آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے"۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ (الانفال ٦٧) تم اسباب دنیا کا چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتے ہیں۔

وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ (الرعد: ٢٦) اور یہ دنیا کی زندگی میں مست ہو گئے اور دنیا کی حقیقت آخرت کے سامنے کچھ نہیں مگر متاع حقیر

دنیا کی مذمت اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی حقارت کے بیان میں احادیث نبویہ بے شمار ہیں، ان میں سے چند مندرجہ ذیل درج ہیں:-

صحیح مسلم (۱) میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر بکری کے کان کٹے مردہ بچے پر ہوا جو راستے میں مرا ہوا پڑا تھا اس وقت آپ کے ساتھ

(۱) مسلم کتاب الزہد (۱۸/۹۳) (۲) مسلم فی الجنۃ (۱۷/۱۹۱) (۳) ترمذی کتاب الزہد (۶/۶۱۱) اور حدیث صحیح غریب ہے۔

جو لوگ تھے ان سے آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی اس مرے ہوئے بچے کو ایک درہم میں خریدنا پسند کرے گا؟ انہوں نے عرض کیا ہم تو اس کو کسی قیمت پر بھی خریدنا پسند نہیں کریں گے، آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم پسند کرتے ہو کہ یہ بچہ تمہارا ہو ان لوگوں نے کہا خدا کی قسم اگر یہ زندہ ہوتا تو اس میں عیب تھا کیونکہ یہ کان کٹا تھا تو کیسے ہم لے سکتے ہیں اس حال میں کہ وہ مرا ہوا ہے، آپ نے فرمایا خدا کی قسم دنیا اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ ذلیل اور بے قیمت ہے جتنا ذلیل اور بے قیمت تمہارے نزدیک یہ مردار بچہ ہے"۔

حضرت مستورد بن شداد فہری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں بس ایسی ہے جیسے کہ تم میں سے کوئی اپنی انگلی دریا میں ڈال کر نکال لے اور پھر دیکھے کہ پانی کی کتنی مقدار اس میں لگ آئی ہے"(۱) امام ترمذیؒ (۲) نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے حدیث تخریج کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر منکر کو وہ ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا"۔

"زہد" عالی حوصلگی، ارادہ کی پختگی اور دنیا کی حقارت کے باعث کسی چیز کو ترک کر دینا ہے عربی میں کہا جاتا ہے "شیءٌ زہید" یہ چیز بے قیمت اور ذلیل ہے۔

یونس بن میسرہؒ نے فرمایا: زہد فی الدنیا کا مطلب یہ نہیں کہ حلال کو حرام اور مال کو ضائع کر دیا جائے، بلکہ زہد کا مطلب یہ کہ اللہ کے قبضہ میں جو ہے وہ تمہارے قبضہ میں ہونے سے زیادہ قابل بھروسہ ہو جائے، اور یہ کہ تمہارا حال مصیبت اور غیر مصیبت دونوں حالتوں میں برابر ہو جائے، اور یہ کہ حق کے سلسلہ میں تمہاری تعریف کرنے والا اور برائی کرنے والا دونوں برابر ہو جائے۔

---

(۱) مسلم فی الجنۃ (۱۹۱/۱۷) (۲) ترمذی کتاب الزہد (۶/۶۱۱) اور حدیث صحیح غریب ہے۔

زہد فی الدنیا کی تفسیر تین چیزوں سے بیان کی گئی ہے اور ان تینوں کا تعلق دل کے اعمال سے ہے نہ کہ اعضاء کے اعمال سے، اسی وجہ سے ابو سلیمانؒ فرماتے ہیں کہ کسی کو دیکھ کر اس کے زہد فی الدنیا کی شہادت مت دیا کرو۔

ان میں سے زہد کی تفسیر ایک یہ کہ بندے کے نزدیک اللہ کے قبضہ میں جو چیز ہے خود وہ اس کے قبضہ میں ہونے سے زیادہ قابل بھروسہ ہو اور یہ بندے کا حال یقین کی پختگی اور درستگی کے بعد پیدا ہوتا ہے، ابو حازم زاہدؒ سے دریافت کیا گیا: ''آپ کا سرمایہ کیا ہے؟ فرمایا میرے پاس سرمایہ دو قسم کا ہے اور ان دونوں کے ہوتے ہوئے مجھے فقر وفاقہ کے ہونے کا خوف وڈر نہیں ہے۔ ایک سرمایہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل درجہ کا اعتماد اور بھروسہ ہے (جس نے مجھ کو تمام چیزوں سے بے نیاز کر دیا ہے) اور ایک یہ کہ لوگوں کے پاس جو کچھ بھی ہے ان سے میرا ناامید ہو جانا ہے''۔ پھر آپ سے دریافت کیا گیا کیا آپ کو فقر وغربت سے ڈر محسوس نہیں ہوتا، آپ نے فرمایا میں فقر اور مفلسی سے کیونکر خائف ہوں، حالانکہ میرا پروردگار تو وہ ہے جو آسمان وزمین اور ان کے درمیان کا اور زمین کے نیچے کا ان سب کا مالک ہے۔

حضرت فضیلؒ نے فرمایا: اصل زہد اللہ تعالیٰ سے راضی رہنا ہے، قناعت پسند آدمی ہی درحقیقت بڑا زاہد اور مالدار ہے، اور جو یقین سے مالا مال ہو گیا اور اپنی ساری چیزوں میں اعتماد کر لیا، اور اللہ کی قضاد تدبیر پر راضی رہا، اور خوف اور امید کی بابت اس کا راستہ مخلوق سے یکسر منقطع اور ٹوٹ گیا ہو درحقیقت یہی بڑا مالدار اور سب سے بڑا زاہد ہے، اگرچہ وہ مال کے اعتبار سے تہی دست کیونکر نہ ہو، جیسا کہ حضرت عمار (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: ''عبرت اور نصیحت کے لئے موت، مالداری کے لئے یقین اور عبادت کے لئے مشغول ہو جانا کافی ہے''۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یقین یہ ہے کہ اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش نہ کرو، اور نہ اللہ کے رزق پر کسی سے حسد کرو، اور نہ اللہ کی طرف سے جو چیز تم کو عطا نہیں ہوئی ہے اس پر کسی کو ملامت کرو، کیونکہ اللہ کا رزق نہ کسی حریص کی حرص سے پہنچتا ہے اور نہ کسی نہ چاہنے والے کے نہ چاہنے سے لوٹتا ہے، اللہ نے تو اپنے عدل، علم اور اپنی حکمت سے خوشی و مسرت کو یقین اور راضی رہنے میں اور پریشانی اور بے کلی کو نہ راضی رہنے اور شک و شبہ میں رکھ دیا ہے''۔

ان میں سے دوسری زہد کی تفسیر یہ ہے کہ بندے کو جب کوئی دنیوی مصیبت پہونچے جیسے اس کا مال ضائع ہو جائے یا اس کا لڑکا انتقال کر جائے، یا اسی طرح اسے کوئی اور مصیبت لاحق ہو تو یہ سب مصائب، آلام اور آفات اس کے آخرت میں ذخیرہ اجر وثواب کے امید کی ہونے سے انتہائی مرغوب اور لذیذ معلوم ہونے لگیں، اور یہ حال بھی کمال یقین کے بعد پیدا ہوتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: جو دنیا سے زہد اور کنارہ کشی اختیار کر لے تو اس پر مصائب دنیا آسان ہو جاتے ہیں، بعض سلف صالحین نے فرمایا اگر دنیا میں مصائب اور آلام نہ ہوتے تو ہم آخرت میں بالکل خالی ہاتھ پہونچتے۔

تیسری زہد کی تفسیر یہ: کہ بندے کے نزدیک حق کے بارے میں اس کی تعریف کرنے والا اور برائی کرنے والا دونوں برابر ہو جائیں، لیکن اگر بندے کے دل میں دنیا کی عظمت اور بڑائی بیٹھ جاتی ہے تو پھر وہ اپنی تعریف کو پسند کرتا ہے اور اپنی مذمت کو ناپسند، بسا اوقات وہ اپنی مذمت و برائی کے خوف سے بہت سی حق چیزوں کو چھوڑ دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور اسی طرح وہ اپنی تعریف کی امید سے بہت سے ناجائز امور کو کرتا ہے۔

جس کے نزدیک حق کے سلسلے میں اس کی تعریف کرنے والا اور برائی کرنے والا دونوں برابر ہو جائیں تو یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کے دل میں مخلوق کا درجہ گر کر حق کی محبت اور اس کے پروردگار کی رضا اور خوشنودی جن چیزوں میں ہے ان سے معمور اور آباد ہے، جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول گزر چکا ہے کہ یقین یہ ہے کہ اللہ کو ناراض کر کے مخلوق کو خوش نہ کرو"۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی تعریف فرماتا ہے جو (اللہ) اس کے راستہ میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت گر کی ملامت سے خائف نہیں ہوتے ہیں، اور اسی طرح اور بھی سلف صالحین سے زہد کی تفاسیر مذکور ہیں حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا: "زاہد کی حقیقی نشانی یہ ہے کہ جب وہ کسی کو دیکھتا ہے تو اس کو اپنے سے بڑا زاہد کہتا ہے"۔

بعض سلف صالحین سے دریافت کیا گیا: (غالباً وہ امام احمد بن حنبلؒ تھے) اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ جو مال بھی رکھتا ہو، کیا ایسا شخص زاہد ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر اسے اپنے مال کی زیادتی سے خوشی نہ ہو اور نہ اس کے کم ہونے سے اسے غم ہو تو وہ یقیناً زاہد ہے"۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے فرمایا: زہد کی تین قسمیں ہیں۔ ا۔ فرض اور ضروری درجہ کا زہد، ۲۔ فضیلت اور مستحب درجہ کا زہد، ۳۔ حفاظت اور سلامتی کا زہد۔ ضروری زہد حرام چیزوں میں ہوتا ہے، اور مستحب اور فضیلت والا زہد حلال چیزوں میں ہوتا ہے، اور حفاظت اور سلامتی کا زہد مشکوک و شبہات میں ہوتا ہے۔

جس کسی نے دنیا کو آخرت کے عوض میں بیچا وہ حقیقت میں زاہد فی الدنیا ہے، اور جس نے آخرت کو دنیا کے عوض میں بیچا وہ بھی زاہد ہے لیکن وہ زاہد فی الآخرت ہے۔

ایک شخص نے کسی سلف صالحین سے کہا، میں نے آپ سے بڑا زاہد کسی کو نہیں دیکھا، آپ نے فرمایا: بلکہ تم مجھ سے بڑے زاہد ہو، کیونکہ میں نے دنیا سے زہد اختیار کیا جس کے لئے نہ بقا ہے اور نہ وفا، اور تم نے آخرت سے زہد اختیار کیا، اب بتلاؤ تم سے زہد میں کون بڑھ سکتا ہے۔

لیکن عادت اور عرف کے اعتبار سے زہد کا اطلاق زہد فی الدنیا کے ساتھ مخصوص ہے، اور یہ واضح ہو کہ زہد ان ہی چیزوں میں معتبر ہے جن پر آدمی کو قدرت حاصل ہو، اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو اے زاہد کہا گیا تو آپ نے فرمایا: زاہد در حقیقت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں، جب دنیا ان کے پاس ذلیل وخوار ہو کر آئی تو انہوں نے اس کو چھوڑ دیا، اور رہا میں تو ان میں سے کس میں زہد اختیار کیا۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے کچھ ایسے مشائخ وقت سے ملاقات کی اور ایسی جماعتوں کے ساتھ صحبت اختیار کی ہے، جن کو دنیا کے مال و متاع کے آنے سے ذرا خوشی و مسرت حاصل نہ ہوتی اور نہ اس کے جانے سے ان کو رنج و غم ہوتا، دنیا ان کی آنکھوں میں مٹی سے بھی زیادہ بیقدر اور ذلیل معلوم ہوتی، ان میں سے کوئی ستر سال تک زندہ رہتا، اس کے باوجود ان کے لئے کوئی کپڑا تہہ کرنے والا نہ ہوتا، اور نہ ان کے لئے کوئی کھانا پکانے والا ہوتا اور نہ ان کے لئے کوئی فرش اور بستر درست کرنے والا ہوتا اور نہ ان کے گھروں سے کھانے کے لئے کوئی حکم آتا۔ جب رات کی تاریکی فضا میں چھا جاتی تو وہ عبادت الٰہی کے واسطے کھڑے ہو جاتے، اپنے چہروں کو فرش بنا لیتے، ان کی آنکھوں سے آنسوں کے تار بہہ کر ان کے رخساروں پر پھیل جاتے۔ دوزخ کے عذاب سے رہائی کیلئے اللہ کے آگے مسلسل گریہ وزاری کرتے رہتے، وہ جب کوئی نیک عمل کرتے تو اس کا شکر ادا کرتے اور اس کی قبولیت کیلئے اللہ

سے درخواست والتجا کرتے، اور اگر ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا تو اس سے ان کو بیحد غم اور بے کلی ہوتی اور اللہ سے اس کیلئے معافی چاہتے، اور یہ ان کا ہمیشہ کا معمول تھا، اور ان کو گناہوں سے حفاظت اور ان سے نجات محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی لامحدود مغفرت کی وجہ سے حاصل ہوئی۔

زہد کے درجات

پہلا درجہ زہد کا یہ کہ: دنیا کی خواہش رکھنے اور دل و نفس کے اس کی طرف پوری طرح مائل اور متوجہ ہونے کے باوجود اس سے زہد اختیار کرے، اس کا نام زہد متزہد ہے۔

دوسرا درجہ زہد کا یہ کہ دنیا کو اس کی طرف خواہش ورغبت کے باوجود اس کو حقیر سمجھتے ہوئے خوشی و مرضی سے چھوڑ دے، مگر وہ شخص اس کو زہد خیال کرتا ہو اور اس کی طرف اس کی توجہ لگی بھی ہو، جیسے کوئی ایک درہم کو دو درہم کے عوض چھوڑ دے۔

تیسرا درجہ زہد کا یہ کہ کوئی دنیا سے مرضی اور خوشی کے ساتھ زہد اختیار کرے، اور اس کو اپنے زہد سے بھی بے رغبتی ہو اور لگاؤ نہ ہو اور اس کو اس کا خیال ہی پیدا نہ ہو کہ اس نے کوئی چیز چھوڑی ہے، جیسے کوئی خزف ریزہ کو چھوڑ کر ہیرے اور جوہر کو لے لے۔ اور اس درجہ کی مثال اس کتے کی سی ہے جو لوگوں کو بادشاہ کے پاس جانے سے روکے پس اگر اس کے کتے کے آگے کوئی روٹی کا ایک ٹکڑا ڈال دے تو وہ کتا لقمہ میں مشغول ہو جاتا ہے اور بادشاہ کا قرب حاصل کرنا آسان ہو جاتا ہے پس شیطان کی بھی مثال اس کتے کی سی ہے جو لوگوں کو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں پہنچنے سے روکتا ہے حالانکہ اس کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے اور اس کا پردہ ہمیشہ اٹھا رہتا ہے اور دنیا اس لقمہ کی طرح ہے تو جس نے اسے چھوڑ دیا دربار میں حاضری کے لئے تو پھر کیسے اس کی طرف متوجہ ہوگا۔

نفس کے احوال اور اس کا محاسبہ

سالکین رسم وراہ کے طریقہ کار اور ان کے سلوک وطریقت کے درمیان اختلاف وفرق کے باوجود ان کا اس پر اتفاق ہے کہ نفس ہی اللہ اور انسان کے درمیان رسائی اور وصول کے راستہ کو سب سے زیادہ کاٹنے والا ہے، لہٰذا نفس کو اپنے قابو میں کر کے، اس کی ہر باتوں میں مخالفت کر کے اور اس کو بالکل مار کر ہی اللہ تعالیٰ تک رسائی اور پہنچ حاصل ہو سکتی ہے۔

نفس کے اعتبار سے لوگوں کی دو قسمیں ہیں:

ایک قسم یہ کہ نفس کا ان پر غلبہ ہو گیا ہو، اور نفس نے ان کو اپنے قابو میں کر کے انہیں تباہی اور بربادی کے دہانے پر پہنچا دیا ہو، اس طور پر وہ بس نفس ہی کے غلام اور اس کے مطیع وفرمانبردار بن گئے ہوں۔

ایک قسم یہ کہ انہوں نے نفس کو اپنے قابو میں کر لیا ہو، اور نفس ان سے مغلوب اور شکست کھا گیا ہو، اور ہر ہر چیز میں ان کی اطاعت وفرمانبرداری کرنے لگا ہو،

بعض سلف صالحین نے فرمایا: اس راہِ سلوک وطریقت کے طالبین کا سفر ان کے اپنے نفسوں پر قابو میں کر لینے اور اس پر پوری طرح دسترس حاصل کر لینے کے بعد تمام اور پورا ہو جاتا ہے، سو جس نے اپنے نفس کو قبضہ میں کر لیا وہ کامیاب اور بامراد ہوا، اور جس پر اس کے نفس نے غلبہ حاصل کر لیا وہ ناکام اور تباہ وبرباد ہوا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَأَمَّا مَنْ طَغٰى وَآثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا سو جس نے سرکشی کی اور دنیوی زندگی کو بہتر فَإِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَأْوٰى وَأَمَّا سمجھا تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور جو کوئی اپنے

مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (النّٰزعٰت ۳۹-۴۰)
رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اس نے نفس کو خواہش سے روکا تو اس کا ٹھکانا جنت ہے۔

نفس لوگوں کو طغیان، سرکشی، کبر نفس اور دنیوی زندگی کی ترجیح کی طرف دعوت دیتا ہے، اور انہیں باتوں کو بندے کی نگاہ میں باعث فضیلت بناتا ہے، اور اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی نفسانی خواہشات کو روکنا اور اپنے خوف وخشیت کی طرف بلاتا ہے، اس طور پر دل دو عوامل اور جذبات کے درمیان گھرا ہوا رہتا ہے، کبھی بندے کا میلان اور جھکاؤ اللہ کی دعوت کی طرف ہوتا ہے اور کبھی اپنے نفس کی دعوت کی طرف، اور اس لئے دل سخت ترین آزمائشی دور سے گزرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نفس کے تین اوصاف بیان فرمائے ہیں، اور وہ یہ ہیں، (۱) نفس مطمئنہ (۲) نفس لوامہ (۳) اور نفس امارہ، علماء کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ نفس ایک ہے اور یہ تین اس کے مختلف اوصاف ہیں، یا یہ کہ انسان کے تین الگ الگ نفس ہوتے ہیں۔

پہلا قول (یعنی نفس تو ایک ہے لیکن اس کے مختلف تین اوصاف ہیں) فقہاء اور مفسرین کا ہے، اور دوسرا قول (یعنی انسان کے تین نفس ہوتے ہیں) صوفیاء کا ہے، لیکن دونوں جماعتوں کے درمیان نزاع واختلاف اصل اور حقیقت میں نہیں ہے، کیونکہ نفس اپنی ذات کے اعتبار سے تو ایک ہے اور اپنی صفات کے اعتبار سے تین۔

نفس مطمئنہ: اگر نفس کو اللہ کی عبادت واطاعت سے سکون واطمینان حاصل ہو، اس کی طرف انابت سے خوشی ہو، اس کی ملاقات کا آرزومند اور مشتاق ہو اور اس کو اس کے قرب حاصل کرنے میں انس میسر ہو تو یہ نفس مطمئنہ ہے، اور اسی نفس کے

متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

يَآأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ اے اطمینان والی روح تو اپنے رب کی طرف
ارْجِعِيٓ إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً لوٹ چل اس طرح کہ تو اس سے راضی اور
مَّرْضِيَّةً (الفجر: ۲۷-۲۸) وہ تجھ سے خوش۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مطمئنہ کو مصدقہ یعنی تصدیق کرنے والا نفس فرمایا ہے۔ حضرت قتادہؒ نے نفس مطمئنہ کے سلسلہ میں فرمایا ہے: مومن وہ ہے کہ اللہ کی وعدہ کی ہوئی چیزوں پر اور اس کے اسماء و صفات کے متعلق، اور اللہ نے اپنے اور اپنے رسول کے بارے میں جو کچھ بتلایا ہے، اور موت اور اسکے بعد کے حالات اور قیامت کے متعلق جو خبر دی ہے ان تمام چیزوں پر جس کی نفس مطمئن ہو جائے گویا وہ ان کو آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا ہے، اور پھر وہ اللہ کی قضا و تقدیر پر مطمئن ہو جائے اور اس پر سچے دل سے ایمان لائے۔ شکوہ و شکایت کو چھوڑ دے۔ کسی چیز پر غصہ سے باہر نہ ہو، اس کے ایمان کے پختگی میں تزلزل اور کمزوری نہ پیدا ہو، نہ کسی چیز کی فوت ہو جانے پر بالکل ناامید ہو اور نہ کسی چیز کے ملنے پر حد سے زیادہ اترانے لگے، کیونکہ ہر بات اور ہر مصیبت اس تک پہونچنے سے پہلے اور اس کی پیدائش سے پہلے لکھی جا چکی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

مَآ أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ کوئی مصیبت اللہ کے حکم کے بغیر نہیں پہنچتی
اللَّهِ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ ہے اور جو کوئی اللہ پر یقین رکھے گا (تو) وہ اس
(التغابن: ۱۱) کے دل کو ہدایت عطا فرمائے گا۔

بندہ حقیقی وہ ہے جب اس کو کوئی مصیبت پہونچے اور وہ یہ سمجھ لے کہ اللہ کی طرف سے

آئی ہے تو اس کے آگے سر تسلیم خم کر دے اور دل سے اس پر راضی ہو جائے۔ بندہ کا اطمینان احسان یہ کہ اللہ کے اوامر کو انتہائی اخلاص، نیک نیتی سے بجالا کر اپنے دل میں ایک مسرت آمیز کیفیت محسوس کرے، دین کے اندر کسی ارادہ، خواہش نفس اور تقلید کو داخل نہ کرے، اور اس کے دل میں کوئی ایسا شک وشبہ پیدا نہ ہو جو قرآن وحدیث کے احکام کے متصادم ہو اور نہ کوئی ایسی شہوت پیدا ہو جو اللہ کے اوامر کے متعارض ہو، بلکہ اس طرح کے خیالات اور وساوس کے پیدا ہونے سے اس کے نزدیک آسمان سے زمین پر گرنا زیادہ محبوب ہو جائے لیکن اس قسم کے خیالات کا آنا گوارا اس کو نہ ہو، جیسا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کے وسوسوں کے پیدا ہونے کو "عین ایمان" فرمایا ہے۔(۱) اور اس طرح وہ معصیت کی پریشانی اور اس کی گھبراہٹ سے توبہ اور اس کے حلاوت کے آغوش میں مطمئن و پر سکون ہو جاتا ہے۔

جس وقت نفس کو شک سے یقین پر، جہالت سے علم پر، غفلت سے ذکر پر، خیانت سے توبہ پر، ریا سے اخلاص پر، جھوٹ سے سچائی پر، کمزوری سے عقلمندی پر، خود پسندی کے دبدبہ سے تواضع کی ذلت پر اور گمراہی سے تواضع پر اطمینان ہو جائے تو اس وقت وہ نفس "مطمئنہ" ہے۔

ان میں سب سے اصل بات جو ہے وہ یہ کہ انسان کی ایسی بیداری ہے، جو اس کے دل سے غفلت کی نیند کو دور کر دے اور اس کی نگاہوں کے سامنے جنت کی حور و قصور کو جگمگا دے، خبردار اے نفس تیرے دونوں بازؤں کی بربادی ہو شاید رات کی تاریکیوں میں

---

(۱) امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے کہ: حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: کچھ لوگ اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے آئے، آپؐ سے دریافت کیا: ہم لوگ اپنے دلوں میں ایسی چیزیں پاتے ہیں جنہیں ہم اپنی زبان سے بولنا عظیم چیز خیال کرتے ہیں (یعنی ناگوار سمجھتے ہیں) آپ نے فرمایا: کیا تم نے اس کو پایا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: ہاں، فرمایا: یہ تو عین ایمان کی علامت ہے۔ (مسلم کتاب الایمان (۱۵۳/۲)

تیری کدوکاوش کی وجہ سے تو قیامت کے دن بلند بالا مقامات میں خوشگوار زندگی پاکر کامیاب ہو جائے۔اور پھر وہ اس بیداری کی روشنی میں اللہ تعالیٰ نے جو جو چیزیں پیدا فرمائی ہیں سب کو دیکھتا ہے، اپنی موت اور جنت کے احوال کو دیکھتا ہے اور دنیا کی بے ثباتی اور اس کا اپنے عاشقوں کے ساتھ بے وفائی بھی دیکھتا ہے اور اس کا اپنے لڑکوں کو انتہائی بے دردی کے ساتھ قتل کرنے کو بھی دیکھتا ہے، اور پھر اسی بیداری کی روشنی میں کہہ اٹھتا ہے۔

"یٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَافَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ" (الزمر: ٥٦) "ہائے افسوس اس بات پر کہ میں نے کوتاہی کی اللہ کی جناب میں"

اس بیداری کے بعد وہ اپنی باقی عمر کی تلافی کیلئے از سر نو زندگی کا استقبال کرتا ہے، اور جو اس سے اپنی پچھلی زندگی میں کوتاہیاں اور لغزشیں ہو گئی تھیں انہیں دور کرنے کے لئے پختہ عزم وارادہ کے ساتھ پھر سے زندگی کا آغاز کرتا ہے، اور امکانات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے، کیونکہ اگر اس سے یہ موقع ضائع ہو گیا تو بہت سی بھلائیوں سے محروم ہونا پڑے گا۔ اس بیداری میں اپنے عیوب نفس، آفات عمل، اپنے جرائم اور معاصی کو دیکھتا ہے اور بہت سے ان حقوق اور واجبات کو ملاحظہ کرتا ہے جن کی ادائیگی میں اس سے کوتاہی ہوئی تھی اور ان کی ادائیگی سے وہ سراسر عاجز تھا ان سب باتوں کو سوچ کر اس کا نفس پاش پاش ہو جاتا ہے اور اس کے بدن پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے، پھر اس کے بعد انتہائی شرمندگی کے ساتھ اللہ کی نعمتوں کو ملاحظہ کرتے ہوئے اس کی طرف قدم بڑھاتا ہے، اور اس بیداری میں اسے اپنے وقت کی قیمت اور اس کی سنگینی کا بھی احساس ہوتا ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ وقت ہی اس کا اصل سرمایہ ہے اور اس کی زندگی میں ترقی کی حقیقی پونجی ہے اور ہر اس چیز سے وقت کے سلسلہ میں بخل

سے کام لیتا ہے جو اس کے رب کے قرب کا ذریعہ ثابت نہ ہوتی ہو، کیونکہ وقت کے ضائع کرنے میں صرف گھاٹا اور نقصان ہے اور اس کی حفاظت میں فائدہ اور ترقی ہے۔

یہ نفس کی بیداری اور اس کے موجبات اور اسباب کے چند ابھرے ہوئے آثار اور نشانیاں ہیں، اور یہی دراصل نفس مطمئنہ کی سب سے پہلی منزل بھی ہے، اور یہیں سے مرد مومن کے سفر کا آغاز اللہ اور دار آخرت کی طرف ہوتا ہے۔

نفس لوامہ (ملامت کرنے والی نفس)

علماء کی ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ: یہ نفس کبھی ایک حال پر باقی اور قائم نہیں رہتا ہے بلکہ اس میں بہت تغیر، تبدل اور تلون پیدا ہوتا رہتا ہے کبھی ذکر سے وہ سرشار رہتا ہے تو کبھی غفلت ولاپرواہی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کبھی احکام الٰہی کے قبول کرنے میں اپنی سعادت ابدی سمجھتا ہے تو کبھی ان سے اعراض بھی کرتا ہے اور کبھی محبت کا برتاؤ کرتا ہے تو کبھی بغض رکھتا ہے اور کبھی خوش اور رنجیدہ رہتا ہے، اور کبھی راضی اور کبھی غصہ میں ہوتا ہے اور کبھی انتہائی مطیع فرمانبردار اور ڈرنے والا ہو جاتا ہے۔

علماء کی دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ دراصل یہ مومن ہی کا نفس ہے، چنانچہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ تم مرد مومن کو اس حال میں دیکھو گے کہ ہمیشہ وہ اپنے نفس کو ملامت کرتا رہتا ہے، جیسے وہ نفس سے ہمیشہ کہتا ہے: اے نفس! تمہارا اس کام سے کیا منشاء وارادہ تھا؟ اس کام کو تم نے کیوں کیا؟ یہ بہتر تھا یا وہ؟ وغیرہ وغیرہ۔

ایک اور جماعت کہتی ہے کہ اس سے مراد قیامت کے دن کی ملامت ہے کیونکہ اس دن ہر آدمی اپنے نفس کو ملامت کرے گا۔ اگر گناہگار ہوگا تو اپنے گناہ پر، اور اگر نیکو

کار ہو گا تو اپنی تقصیر اور کوتاہی پر۔

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ نفس کی یہ سب تفاسیر اپنی جگہ صحیح اور برحق ہیں۔

نفس لوامہ کی دو قسمیں ہیں: لوامہ ملومہ، اور لوامہ غیر ملومہ،

لوامہ ملومہ: جاہل، ظالم اور حد سے تجاوز کرنے والا نفس ہے، جس پر اللہ اور فرشتوں کی طرف سے ملامت نازل ہوتی ہے۔

لوامہ غیر ملومہ: یہ نفس بندے کو اللہ کی عبادت وطاعت کے باب میں اس کے تقصیر اور کوتاہی کرنے پر ہمیشہ ملامت کرتا رہتا ہے۔ درحقیقت سب سے شریف نفس وہی ہے جو نفس کو عبادت اور طاعت کے سلسلہ میں سرزنش وفہمائش کرتا رہے اور اللہ کی رضا کے خاطر ہر ملامت کرنے والے کی ملامت کو برداشت کرے اور نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اس کو پکڑے، اور یقیناً ایسے نفس کو اللہ تعالیٰ کی ملامت سے نجات اور خلاصی حاصل ہوتی ہے، رہا وہ نفس جو اپنے اعمال پر راضی اور مطمئن رہتا ہے اور نہ اپنے نفس کی ملامت کرتا ہے اور نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو برداشت کرتا ہے، پس ایسے نفس پر اللہ تعالیٰ کی ملامت نازل ہوتی ہے۔

نفس امارہ: یہ نفس ہر بری اور خراب چیزوں کا حکم دیتا ہے، شر اور برائی اس کے شرست اور فطرت میں ہے اس کے شر اور برائی سے خلاصی اور نجات محض اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مہربانی سے ہو سکتی ہے، جیسا کہ اللہ عزوجل نے عزیز کی بیوی کے قول کو قرآن مجید میں نقل فرمایا ہے:

"وَمَآ أُبَرِّئُ نَفْسِي اِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَارَحِمَ" میں اپنے نفس کو پاک نہیں کہتی بے شک نفس تو برائی پر ابھارنے والا ہے مگر جو میرے

رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ " رب نے رحم کردیا ہے بے شک میرا رب
(یوسف: ۵۳) بخشنے والا اور مہربان ہے"۔

اور دوسری جگہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَازَكٰی "اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو
مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ اَبَداً (النور: ۲۱) تم میں ایک شخص بھی کبھی نہ سنورتا"۔

اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب (رضی اللہ عنہم اجمعین) کو خطبہ حاجت میں تعلیم فرمائی ہے (ان الحمد لله، نحمده ونستعينه، ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات أعمالنا) یعنی ہم اپنے نفوس کے شرور اور اپنے اعمال کی برائیوں سے اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے ہیں، شر اور برائی انسان کے نفس میں مضمر اور موجود ہے، اور وہ ہر برے کاموں کا انسان کو حکم دیتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ اپنا دست شفقت بندے اور اس کے نفس کے درمیان سے اٹھالے تو وہ شر و برائی اور برے اعمال کے نتائج سے ہلاک اور تباہ و برباد ہو جائے۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق بندے کے ساتھ شامل ہو جائے اور اس کی مدد و نصرت آجائے تو ہر شر و برائی سے بندے کو خلاصی و نجات مل جائے۔ اللہ تعالیٰ سے ہم اپنے نفس کے شرور اور اپنے اعمال کی برائیوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ منجملہ کلام یہ ہے نفس ایک ہی ہے امارہ ہے پھر لوامہ پھر مطمئنہ اور یہ اس کے کمال و درستگی کا انتہائی درجہ ہے۔

نفس مطمئنہ کے دوست اور قریبی ساتھی فرشتے ہیں جو اس کو صحیح اور درست راستوں پر لے کر چلتے ہیں اور اس کے دل میں حق باتوں کا الہام کرتے ہیں، نیکیوں کی ترغیب کرتے ہیں، بہترین اور خوبصورت چیزوں کو دکھلاتے ہیں، حاصل کلام یہ کہ جو بھی اللہ کا ہو جاتا ہے تو وہی نفس مطمئنہ کی طرف سے ہوتا ہے، اور نفس امارہ کا دوست

اور ساتھی شیطان ہوتا ہے جو بندے کو آرزوں اور تمناؤں میں لبھائے رکھتا ہے، اس کے دل میں باطل اشیاء کا الہام کرتا ہے، برائیوں کا حکم دیتا ہے، ناحق چیزوں کو خوبصورت بنا کر اس کے سامنے پیش کرتا ہے، امیدوں کو طول طویل کرتا ہے، اور شر و برائی کو ایسے طریقہ سے پیش کرتا ہے کہ نفس اس کو اچھا سمجھ کر قبول کرلیتا ہے۔

نفس مطمئنہ اور فرشتوں کی طرف سے بندے کے لئے توحید، احسان، نیکی، تقویٰ، توکل، توبہ، اللہ کی طرف انابت، اور آخرت کی جانب توجہ، امید کی کمی، اور موت کے بعد کی تیاری کے تقاضے اور اسباب پیدا ہوتے ہیں۔

اور شیطان اور اس کے کافر لشکر نفس امارہ سے ان صفات حسنہ کے برعکس چیزوں کے متقاضی ہوتے ہیں، نفس مطمئنہ پر سب سے مشکل چیز شیطان اور نفس امارہ سے نجات اور خلاصی ہے اور ان کے برے اعمال سے چھٹکارا پانا ہے، کیونکہ اگر ایک عمل بھی نفس مطمئنہ کی طرف سے ہو جائے تو بندے کی نجات کیلئے کافی ہے، لیکن شیطان اور نفس امارہ کوئی ایسا عمل سرزد نہیں ہونے دیتے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے۔ اسی وجہ سے ایک بزرگ نے جو عارف باللہ تھے، فرمایا: اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ میرا ایک عمل بھی اللہ تک پہنچ گیا ہے تو مجھے اس غائب آدمی کی موت سے زیادہ خوشی ہو جو اپنے اہل و عیال پر آجائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی فرماتے ہیں ”اگر مجھے علم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ایک سجدہ کو قبول فرمالیا ہے تو کسی غائب کی موت میرے نزدیک زیادہ محبوب نہ ہو گی“۔

نفس امارہ نفس مطمئنہ کے سراسر مقابل اور ضد ہے، نفس مطمئنہ اگر بھلائی اور نیک کام کرتا ہے تو نفس امارہ اس کے برعکس کام کرتا ہے، اور نفس امارہ اچھے کاموں

کے نہ کرنے کیلئے ان کی توجیہ اور علت اور تفسیر بھی بیان کرتا ہے، جیسے جہاد نہ کرنے کی علت اور تفسیر یہ بیان کرتا ہے کہ لوگوں کی ناحق جانیں صرف ہوں گی۔ عورتوں کی شادیاں کرنی پڑیں گی۔ لڑکے یتیم ہو جائیں گے۔ اور مال تقسیم کرنے ہوں گے۔ اور زکاۃ وصدقہ نہ کرنے کی توجیہ یہ کرتا ہے کہ مال ختم ہو جائے گا اور دوسرے لوگوں کا ضرورت مند ہو جائیگا، اور فقراء اور مساکین لوگ اس کے برابر ہو جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔

محاسبہ نفس

مومن کے لئے نفس امارہ پر غلبہ حاصل کرنے کا علاج اس کے محاسبہ اور اس کی مخالفت کرنے میں ہے جیسا کہ امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

"الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت؟ والعاجز من اتبع نفسه هواها وتمنى على الله".

"ہوشیار اور توانا وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد کیلئے (یعنی آخرت کی نجات وکامیابی کیلئے) عمل کرے اور نادان وناتواں وہ ہے جو اپنے کو اپنی خواہشات نفس کا تابع کردے (اور بجائے احکام خداوندی کے اپنے نفس کے تقاضوں پر رہے) اور اللہ سے امیدیں باندھے"۔

امام احمدؒ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! اپنے نفوس کا محاسبہ کرلو قبل اس کے تمہارا محاسبہ کیا جائے۔ اور اس کا وزن کرلو قبل اس کے کہ تمہارا وزن کیا جائے۔ اس لئے کہ آج تمہارے تقدیر کا محاسبہ کرلینا کل

تمہارے محاسبہ کیئے جانے سے بیشک آسان اور سہل ہے، اور اپنے آپ کو ایک عظیم پیشگی کیلیئے وزن کرلو جس روز کہ تمہاری پیشی ہوگی تمہاری کوئی چیز بھی ڈھکی چھپی نہ رہے گی"۔

حضرت حسنؒ نے فرمایا: مومن اپنے نفس کا نگراں ہوتا ہے؛ اور اللہ کیلیئے اس کا محاسبہ کرتا ہے؛ اور جن لوگوں نے دنیا کے اندر اپنے نفوس کا محاسبہ کرلیا تو روز قیامت میں ان کا حساب وکتاب آسان ہوگا اور جن لوگوں نے دنیا میں اپنے نفوس کا محاسبہ نہیں کیا تو قیامت میں ان کا حساب بہت سختی سے ہوگا۔

مومن کو کوئی چیز اچانک پہنچتی ہے اور وہ اس کو بھلی معلوم ہوتی ہے تو اس سے یہ کہتا ہے: خدا کی قسم تمہاری مجھے سخت رغبت اور خواہش تھی، اور تمہاری سخت ضرورت تھی، لیکن تم تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہ تھا اور دوری ہو ہر اس چیز سے جو ہمارے اور تمہارے درمیان حائل تھی۔ پھر اس سے اس باب میں بہت کچھ کوتاہیاں ہوتی ہیں۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد متنبہ ہوتا ہے اور اپنے نفس کی طرف واپس ہوتا ہے اس سے کہتا ہے میں نے تو اس کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ مجھے ان سب چیزوں سے کیا سروکار تھا؟ خدا کی قسم اب کبھی ان سب چیزوں کی طرف آنکھ اٹھاکر بھی نہیں دیکھوں گا۔

مومن ایسے لوگ ہیں جنہیں قرآن نے برائیوں سے روک دیا ہے اور ہلاکت سے دور کردیا ہے مومن آدمی دنیا میں ایک قیدی کی طرح رہتا ہے جو اپنی آزادی کیلیئے رات ودن جدوجہد میں مصروف رہتا ہے کسی بھی چیز سے وہ امن محسوس نہیں کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرلے۔ وہ اس بات کا علم رکھتا ہے کہ اس کے کان، آنکھ، زبان اور اس کے اعضاء کے بارے میں مواخذہ ہوگا بلکہ اس سے ایک ایک چیز کے متعلق مواخذہ ہوگا۔

حضرت مالک بن دینارؒ نے فرمایا: اللہ اس بندے پر رحم فرمائے جو اپنے نفس سے کہے: کیا تم ایسے نہیں ہو، اور کیا تم ایسے نہیں ہو، پھر اس کی برائیاں کرے، پھر اسے پابند زنجیر کر دے اور پھر اس کے بعد اسے کتاب اللہ کا پابند بنا دے، اور اس طرح اس کا گائڈ اور راہ نما ہو جائے۔

پس ایک دور اندیش مومن پر جو اللہ اور آخرت کے روز پر ایمان رکھتا ہو لازم اور ضروری ہے کہ اپنے نفس کی طرف سے اور اس کی حرکات، سکنات اور خطرات پر دباؤ ڈالنے سے قطعی غافل نہ ہو، اس لئے کہ انسان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ایک قیمتی جوہر ہے ممکن ہے اس سے ایک ایسا خزانہ خریدا جا سکے جس کی نعمتیں کبھی زوال پزیر نہ ہوں، بس ان قیمتی لمحات کا ضیاع یا آدمی کا اس سے ایسی چیز خریدنا جو اس کی ہلاکت و بربادی پیدا کرنے کا باعث ہو خسارۂ عظیم ہے، اور اسے تو ایک کم عقل اور احمق ترین انسان بھی اچھا نہیں سمجھتا ہے اور نہ اس کی اجازت دیتا ہے، اور ہار جیت کے دن اس خسارے کی حقیقت ظاہر ہو جائے گی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَمَا عَمِلَتْ مِن سُوٓءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُۥٓ أَمَدًۢا بَعِيدًا (آل عمران آية ۳۰)	جس دن ہر شخص جو کچھ کہ اس نے نیکی کی اور جو کچھ کہ اس نے برائی کی اپنے سامنے موجود پائے گا اور آرزو کرے گا کہ کاش اس میں اور اس کے اعمال میں دور کا فاصلہ ہوتا۔

نفس کے محاسبہ کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم عمل کے پہلے کی ہے اور دوسری قسم عمل کے بعد کی ہے۔

پہلی قسم یہ کہ بندہ اپنے قصد اور ارادہ کے وقت ٹھہر جائے اور عمل پر اقدام نہ

کرے یہاں تک کہ اس پر عمل کے چھوڑنے کا رجحان واضح ہو جائے۔

حسن بصریؒ نے فرمایا: اللہ اس بندے پر رحم فرمائے جو اپنے قصد وارادے کے وقت توقف کرے اگر وہ عمل اللہ کے لئے ہو تو کر جائے، اور اگر غیر کے لئے ہو تو پیچھے ہٹ جائے۔

اس بات کی تشریح اور تفسیر بعض لوگوں نے اس طرح کی ہے کہ: اگر نفس میں یہ تحریک اور جذبہ پیدا ہو کہ وہ کوئی کام کرے اور بندے نے اس کے کرنے کا قصد وارادہ بھی کیا تو اسے چاہئے کہ اس سے رک جائے اور غور کرے کہ وہ یہ کام کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا اگر اسے کر سکتا ہے تو اس سے رک جائے اور غور کرے کہ اس کام کا کرنا بہتر ہے یا اسے چھوڑنا بہتر ہے۔ اگر دوسری صورت ہو تو اس پر اقدام نہ کرے۔ اور اگر پہلی بات ہو تو اس سے رک جائے اور غور کرے۔ کیا اس کا باعث اللہ کی خوشنودی اور اس کا ثواب مقصود ہے۔ یا مخلوق سے جاہ اور مال و تعریف مقصود و مطلوب ہے اگر دوسری چیز ہو تو اس پر اقدام نہ کرے اگرچہ اس صورت میں اپنے مطلوب چیز کو پا رہا ہو، تاکہ نفس شرک کا خوگر نہ ہو اور اس پر عمل غیر اللہ ہلکا نہ ہو جائے۔ اس لئے کہ جس قدر غیر اللہ کا عمل اس پر ہلکا ہو گا، (اسی قدر اللہ کے لئے عمل بھاری اور گراں ہو گا یہاں تک کہ سب سے بھاری اور گراں عمل اسپر اللہ ہی کا عمل ہو گا) لیکن اگر اللہ کے لئے عمل ہو تو ایک بار ٹھہر جائے اور غور کرے کیا اس کے لئے کچھ ایسے احباب اور ساتھی بھی ہیں جو اس پر اس کی مدد و نصرت کریں گے جب اس کا یہ عمل اس چیز کا محتاج ہو لیکن اگر اس کے مددگار دوست نہ ہوں تو پھر اس سے رُک جائے جیسا کہ نبی ﷺ مکہ مکرمہ میں جہاد سے ٹھہر گئے تھے یہاں تک کہ آپ کی شان و شوکت اور آپ کے مددگار اصحاب پیدا ہو گئے، پس اگر اسے مددگار لوگ مل جائیں تو اس پر اقدام کرے

کیونکہ اس صورت میں اللہ کی مشیت اور حکم سے اس کی مدد ونصرت کی جائے گی۔ کامیابی اور فائز المرامی صرف اسی کو حاصل نہ ہو گی جس نے ان باتوں میں سے کوئی بات چھوڑ دی ہو گی کیونکہ ان خصلتوں کے ہوتے ہوئے کامیابی اور فلاح کے نہ ہونے کا سوال نہیں ہوتا ہے لہٰذا ان چار جگہوں پر بندے کے لئے اپنے نفس کے محاسبہ کا عمل کرنے سے پہلے ضرورت پڑتی ہے۔

دوسری قسم: یعنی عمل کے بعد نفس کے محاسبہ کرنے کی تین قسمیں ہیں:

ان میں سے ایک یہ کہ نفس کا کسی طاعت وعبادت پر محاسبہ کرنا جس میں اللہ تعالیٰ کے حق میں کوتاہی ہوگئی ہو اور اس کے حسب توقع عبادت ادائیگی نہ ہو سکی ہو، اور عبادات میں اللہ کے حقوق چھ (۶) ہوتے ہیں جو حسب ذیل درج ہیں۔

۱۔ عمل میں اخلاص کا ہونا، ۲۔ اللہ کے لئے نصیحت کا ہونا، ۳۔ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کی موافقت کرنا، ۴۔ صفت احسان کا مشاہدہ کرنا، ۵۔ اللہ کے فضل واحسان کا مشاہدہ کرنا، اور ان تمام صفتوں کے ہوتے ہوئے اپنی کوتاہی اور تقصیر کا مشاہدہ کرنا پس آدمی کو اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ان جگہوں پر پورا کردیا ہے؟ اور کیا ان حقوق کو اپنی عبادتوں میں بجالایا ہے؟۔

دوسری قسم: محاسبہ نفس کی یہ کہ ہر اس عمل پر محاسبہ کرے جس کا چھوڑنا اس کے کرنے سے بہتر رہا ہو۔

تیسری قسم: یہ کہ اپنے نفس کا ہر مباح اور جائز کام پر محاسبہ کرے اور یہ محاسبہ کرے کہ اس نے اس کام کو کیوں کیا، اور کیا اس سے اللہ اور دار آخرت اور اس کی زندگی مراد تھی؟ اگر ایسا تھا تو وہ کامیاب رہے گا، لیکن اگر اس نے دنیا اور یہاں کی

چیزوں کا ارادہ کیا تھا تو ناکام اور نامراد رہے گا۔

اور آخر میں غفلت، لاپرواہی، ترک محاسبہ، ٹال مٹول کرنا، معاملات میں سہل انگاری یہ ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو ہلاکت کے کھڈ میں پہنچانے کا ذریعہ اور باعث ثابت ہوتی ہیں اور یہ ایسے دھوکا کھانے والے کا حال ہے جو اپنی آنکھوں کو عواقب وانجام سے بند کر رکھتا ہے، اور عفو درگزر پر اس کا بھروسہ و تکیہ کرنے کا شعار ہوتا ہے اور وہ اپنے محاسبہ نفس اور انجام کار کے غور و فکر کرنے میں سہل انگار اور کوتاہ واقع ہوتا ہے، جب انسان ایسے اعمال کرنے لگتا ہے تو معاصی اور گناہوں کا وقوع اس پر آسان ہو جاتا ہے اور معاصی سے انسیت و لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے، اس کے بعد ان پر پابندی کرنا اور ان سے اجتناب کرنا بندے پر بہت دشوار ہو جاتا ہے۔

ان میں سب سے اصل اور بنیادی چیز یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ فرائض پر کیا جائے اگر ان میں کوئی نقص اور کمی یاد آئے تو انہیں دوبارہ ادا کرلی جائے یا اصلاح کے ذریعہ ان کی تلافی کی جائے، فرائض کے بعد منہیات (منع کی ہوئی چیزیں) پر محاسبہ نفس کرے، اگر اسے یہ معلوم ہو کہ اس نے کوئی گناہ کا کام کیا ہے یا غیر شرعی چیز کا ارتکاب کیا ہے تو اسے چاہئے کہ توبہ، استغفار اور اچھائیوں کے ذریعہ اس گناہ کی تلافی کرے، پھر اپنے نفس کا محاسبہ غفلت پر کرے، اگر اس کی غفلت ان چیزوں کی طرف سے ہوئی جن کے لئے اس کی تخلیق ہوئی ہے تو اللہ کے ذکر اور اس کی طرف متوجہ ہو کر ان کی تلافی کرے پھر اسی طرح اپنی گفتگو پر یا جس کے ذریعہ اپنے پاؤں سے چلکر گیا ہے، یا ہاتھوں سے پکڑا، یا کانوں سے سنا ہے ان سب چیزوں پر اپنے نفس کا محاسب کرے؟ مثال کے طور پر محاسبہ اس طرح کرے کہ میں نے اس سے کیا ارادہ کیا تھا، اور

میں نے اسے کیوں کیا اور کس کے لئے کیا اور کس طریقہ پر میں نے اسے انجام دیا وغیرہ وغیرہ، اور وہ یہ جان لے کہ اس کی ہر حرکت اور گفتگو کو نشر واشاعت کے لئے دو دفتر ہیں، ایک دفتر تو یہ کہ تم نے اسے کس کے لئے کیا؟ اور دوسرا دفتر یہ کہ تم نے اسے کیسے کیا؟ پہلا اس سے سوال اخلاص کے متعلق ہوگا اور دوسرا ایک سوال متابعت (انجام دینے کے) بارے میں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لِيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ عن صِدْقِهِمْ (الأحزاب: ۸) تاکہ اللہ سچوں سے ان کے سچ کے بارے میں پوچھے"

جب سچوں سے ان کی سچائی کے متعلق سوال ہوگا اور ان کی سچائی کا حساب ہوگا تو جھوٹے لوگوں کے بارے میں کیسا سوال اور کیسا حساب ہوگا۔

محاسبہ نفس کے فوائد

(۱) اپنے نفس کے عیوب پر اطلاع: جو اپنے نفس کے عیوب پر مطلع اور واقف نہ ہو سکا تو اس کے لئے اپنے عیبوں کا دور کرنا ممکن نہیں ہے، یونس بن عبیدؒ نے فرمایا: "میں سو اچھی خصلتوں کو پاتا ہوں لیکن میں یہ نہیں جانتا ہوں کہ ان میں سے کوئی ایک خصلت بھی میرے اندر موجود ہے"۔

محمد بن واسعؒ نے فرمایا: "اگر معاصی کے لئے بو ہوتی تو کوئی بھی میرے قریب بیٹھ نہیں سکتا تھا" اور امام احمدؒ نے ابو درداءؓ سے روایت کیا ہے: کوئی شخص پورا فقیہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اللہ کے مقابلہ میں لوگوں کو مبغوض اور برا نہ سمجھے، پھر اپنے نفس میں غور کرے تو نفس اس کے لئے سب سے زیادہ مبغوض ثابت ہو"۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے حق کی معرفت بندے کے اندر اس کے نفس سے بغض اور حقارت کا ذریعہ بنتی ہے، اور یہ معرفت حق تعالیٰ اس کو خود پسندی اور ریاکاری سے نجات دیتی ہے، اور اس کے پروردگار کے آگے اس کے لئے تواضع خاکساری اور انکساری کے دروازے کو کھول دیتی ہے اور نفس سے بالکل مایوس بنادیتی ہے اور بندے کو نجات محض اللہ کے عفو، اس کی مغفرت اور اس کی رحمت ہی سے حاصل ہوتی ہے پس اللہ کا حق یہ ہے کہ بندہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرے نافرمانی نہ کرے، اس کو یاد کرے، اس کو بھولے نہیں اور اس کا شکر ادا کرے اس کی ناشکری نہ کرے۔

صبر کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے صبر کو ایک ایسا اسپ تازی بنایا ہے جو ٹھوکر لگ کر گرتا نہیں ہے اور ایک ایسی تلوار بنائی جو اچٹتی نہیں ہے اور ایک ایسا قوی لشکر بنایا جو شکست نہیں کھاتا اور ایک مضبوط قلعہ بنایا جو مسمار نہیں ہوتا، گویا صبر اور مدد نصرت میں ایسا تعلق ہے جیسے دو سگے بھائیوں میں ہوا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مجید میں صابرین کی مدح و تعریف فرمائی ہے اور یہ خبر دی ہے کہ انہیں بلا حساب اجر و ثواب عطا ہوگا اور اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ اپنی ہدایت، اپنی نصرت قوی اور فتح مبین کے ساتھ موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"واصبروا ان اللہ مع الصبرين" اور صبر کرو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

صابرین نے اس معیت خدائی سے دنیا اور آخرت کی بھلائی کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا اور ظاہری اور باطنی نعمتوں سے بہرہ ور ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے دین کی سرداری کو صبر اور یقین کے ساتھ مربوط کردیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ" (السجدة ٢٤) "اور ہم نے ان میں پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے جبتک وہ صبر کرتے رہے اور ہماری آیات پر یقین کرتے رہے"۔

اور اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ صبر ارباب صبر کے لئے ایک خیر اور بھلائی کی چیز ہے:

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"ولئن صبرتم لهو خير للصابرين" "اور اگر تم لوگوں نے صبر کیا تو یقیناً وہ ایک خیر ہے صبر کرنے والوں کیلئے"۔

اور اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ صبر اور تقویٰ کے ساتھ دشمن کا کید اور مکر و فریب مضر اور نقصان دہ نہیں ہوتا ہے۔ اگرچہ دشمن قوی اور غالب کیوں کر نہ ہو، اللہ عزوجل کا ارشاد مبارک:

"وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ (آل عمران: ١٢٠) "اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کے فریب سے تمہارا کچھ نہ بگڑے گا بیشک اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کا احاطہ کر رکھا ہے۔

اور صبر اور تقویٰ کے ساتھ فلاح اور کامیابی کو منحصر اور موقوف فرمایا گیا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ملاحظہ ہو:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (ال عمران: ٢٠٠) "اے ایمان والو صبر کرو اور ایک دوسرے کو تھامے رکھو اور جہاد کیلئے تیار رہو اللہ سے ڈرو تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو۔

نیز اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا کہ اہل صبر سے اللہ محبت فرماتے ہیں اس آیت میں رغبت کرنے والوں کے لئے رغبت کا ایک عظیم سامان رغبت ہے: چنانچہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

"وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ" (ال عمران:١٤٦)
اور اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔

اور اللہ تعالیٰ نے صابرین کو تین ایسی بشارتیں سنائی ہیں جو ان میں سے ہر ایک ارباب دنیا کی خیر و بھلائی سے جس میں وہ باہم حسد کرتے ہیں بہتر ہے پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ" (البقرة: ١٥٦،١٥٧)
"اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے کہ جب ان کو کچھ مصیبت پہنچے تو کہیں ہم تو اللہ کی ہی ملکیت ہیں اور ہم اس کے طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ایسے ہی لوگوں پر اپنے رب کی عنایتیں اور مہربانی ہے اور وہی سیدھی راہ پر ہیں"۔

جنت کی سرفرازی سے ہم کنار اور دوزخ کی آگ سے نجات صرف صابرین حاصل کر سکتے ہیں، ارشاد ربانی ہے:

اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ" (المومنون :١١١)
میں نے آج ان کو بدلہ دیا ان کے صبر کرنیکا وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں"

اسباب صبر اور اہل شکر اللہ کی نشانیوں سے فائدہ اٹھانے میں مخصوص ہیں اور اس عظیم سعادت سے بہرہ مندی میں دوسروں سے متمائز اور جدا ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان چار آیتوں کے اندر ان کی صفت کو بیان فرمایا ہے:

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (لقمن:٣١)
بیشک اس میں ہر ایک تحمل کرنے والے شکر کرنے والے کے واسطے نشانیاں ہیں۔

صبر مومن کے لئے ایک جھولے دار رسی ہے کہ مومن گھوم پھر کر اس کی طرف واپس لوٹتا ہے، صبر مومن کے ایمان کے لئے ایک بنیاد، جڑ اور اصل ہے جس کا صرف اسی پر اعتماد ہے تو جس کے پاس صبر نہیں اس کا ایمان کامل نہیں، صبر نہ ہونے کی صورت میں مومن کا ایمان نہایت ضعیف وناتواں ہے اور یہ ان لوگوں میں سے ہے جو اللہ کی عبادت کنارے کنارے کرتا ہے اگر اسے کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو وہ خوش اور پر اطمینان ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی ناگوار چیز پہنچتی ہے تو اپنے چہرہ کے بل پلٹ جاتا ہے ایسے آدمی نے دنیا اور آخرت کا خسارہ اٹھایا اور گھاٹے کا سودا کمایا، کیا عجب کہ سعادت مند لوگ اپنے صبر سے ہر بھلائی کو پالیں اور اپنے شکر سے مرتبہ کے کمال کی چوٹی تک پہنچ جائیں اور صبر و شکر کے دونوں بازو کی پرواز سے جنت نعیم میں پہنچ جائیں۔ ”**ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم**(الجمعة: ٤“ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

چونکہ ایمان کے دو حصے ہیں ایک صبر، دوسرا شکر، پس اس شخص پر جو اپنے نفس کا خیر خواہ ہو اور اس کی نجات چاہتا ہو اور اس کی ترقی اور سعادت مندی مقصود ہو تو لازم ہے کہ ان دونوں ایمانی گوشوں کی طرف سے لاپرواہی اور کوتاہی نہ کرے؛ اور اس کے لئے بہت ضروری ہے کہ صبر اور شکر کے دونوں راستوں سے سیر فی اللہ اور سفر الی اللہ طے کرتا رہے؛ تاکہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی ملاقات کے دن افضل ترین لوگوں میں داخل فرمادے۔

صبر کے معنی اور اس کی حقیقت

صبر کے معنی لغت میں روکنے اور بند کرنے کے ہیں، اور شریعت میں نفس کو بے صبری و بیتابی سے زبان کو شکایت سے، اعضاء کو چہرہ پر طمانچہ مارنے سے اور جیب وگریباں کو پھاڑنے سے روکنے کا نام ہے۔

کہا گیا ہے کہ: صبر نفس کے ایک اعلیٰ اخلاق میں سے ہے جو انسان کو غیر محمود اور نامستحسن امور سے روکتی ہے اور ایک ایسی قوت کا نام ہے جس سے احوال درست اور صحیح ہوتے ہیں۔

حضرت جنیدؒ سے دریافت کیا گیا صبر کیا ہے؟ فرمایا: ''چہرہ پر کسی شکن کے بغیر تلخ گھونٹ پینا''۔ حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا: ''مخالفتوں سے دور رہنے، بغیر اضطراب کے مصیبت کے تلخ گھونٹ نگلنے اور معیشت کے میدان میں فقر آنے کے باوجود استغنا اور بے نیازی کے اظہار کا نام صبر ہے''۔

کسی نے کہا ہے کہ: ''صبر کمال ادب کے ساتھ مصیبت پر ثابت قدم رہنا ہے''۔

کسی اور نے کہا ہے: ''صبر بغیر اظہار شکوہ کے مصیبت و پریشانی میں مستغنی اور بے نیاز رہنا ہے''۔

بعض سلف صالحین نے ایک شخص کو اپنے بھائی سے شکایت کرتے ہوئے دیکھا اس سے فرمایا: اے شخص، خدا کی قسم تم نے زیادہ نہیں کیا اس پر کہ تم نے شکایت کی اس کی جو تم پر رحم کرتا ہے اس سے جو تم پر رحم نہیں کرتا ہے''۔ اسی معنی میں یہ شعر کہا گیا ہے۔

وإذا شكوت إلى ابن آدم إنما   تشكي الرحيم إلى الذي لا يرحم

"اور جب تم نے اپنی شکایت ابن آدم سے فرمائی۔ تو تم رحیم کی شکایت بیان کرتے ہو اس سے جو تم پر رحم نہیں کرتا ہے"۔

شکوہ کی دو قسمیں ہیں: ایک شکوہ اللہ عزوجل سے کرنا تو یہ منافی صبر نہیں جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام کا قول "إنما اشكوا بثي وحزني إلى الله" مزید اللہ کے اس کے اس قول کے ساتھ "فصبر جميل" "میں اپنا اضطراب اور غم اللہ سے کہتا ہوں" یوسف: ۸۳)

اور سید الصابرین رسول اللہ ﷺ کا یہ قول مبارک: اللهم أشكو اليك ضعف قوتي، وقلة حيلتي اے اللہ میں آپ سے اپنی قوت کی کمزوری اور تدبیر کی کمی کی شکایت کرتا ہوں۔

دوسرا یہ کہ ابتلاء شدہ کا زبان حال یا زبان قال سے شکوہ بیان کرنا تو یہ جامع صبر نہیں ہے بلکہ اُس کے خلاف اور ضد ہے اور مفہوم صبر کو خراب و باطل کر دیتا ہے۔

مگر بندے کے لئے عافیت کا میدان و آنگن صبر کے میدان و آنگن سے وسیع تر ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "ان لم يكن بك غضب علي فلاأبالي ولكن عافيتك هي أوسع لي" "اگر مجھ پر آپ ناراض و غصہ نہ ہوں تو مجھے کچھ بھی اور کسی کی پروا نہیں ہے لیکن آپ کی (عطاء) عافیت مجھ پر زیادہ وسیع ہے"۔

اور یہ حدیث "وماأعطي أحد عطاءاً خيراً وأوسع من الصبر" یعنی کسی کو کوئی عطاء و بخشش صبر سے زیادہ اچھی اور وسیع تر نہیں دی گئی" سے متصادم و متعارض نہیں ہے" کیونکہ یہ بات مصیبت و بلا کے نازل ہونے کے بعد کی ہے۔ لہٰذا اس صورت و شکل میں بندے کے لئے سب سے وسیع تر میدان صبر ہی کا ہوگا، لیکن مصیبت کے آنے سے پہلے تو ظاہر ہے کہ بندے کے لئے عافیت کا میدان زیادہ وسیع (کشادہ) ہے۔

نفس بندے کے لئے ایسی سواری ہے جس پر سوار ہو کر وہ جنت میں پہنچتا ہے یا

دوزخ میں، اور صبر اس کے لئے لگام کی حیثیت رکھتا ہے اور سواری کے لئے نکیل، پس اگر اس کے لئے نہ لگام ہو اور نہ نکیل تو وہ ہر طرف بھاگے گی۔ حجاج بن یوسف کے خطبوں میں یہ ہے: اے لوگو! اپنے ان نفسوں کو کھٹکھٹاؤ کیونکہ یہ ہر برائی و گناہ کا پیش خیمہ ہیں، اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے اپنے نفس کے لئے لگام اور نکیل تیار کرلی ہو، لگام کے ذریعہ اس کو اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کی طرف رہبری (گائڈ) کرتا ہے اور نکیل کے ذریعہ اللہ کے معاصی سے روکتا اور باز رکھتا ہے، اس لئے کہ اللہ کی حرام باتوں پر صبر کرلینا اس کے عذاب پر صبر کرنے سے زیادہ آسان ہے۔

نفس کے لئے دو قوتیں ہیں: قوت اقدام (یعنی آگے بڑھنے کی قوت) اور قوت احجام (یعنی پیچھے آنے کی قوت) صبر کی حقیقت یہ ہے کہ قوت اقدام کو ان چیزوں میں مصروف رکھا جائے جو اس کے لئے فائدہ مند ثابت ہوں اور قوت احجام کو ان چیزوں سے باز رکھا جائے جو اس کے حق میں نقصان دہ ثابت ہوں، کچھ لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ وہ شب بیداری، نوافل لیل اور روزوں کی مشقت کو برداشت کر لیتے ہیں، لیکن انہیں بد نظری اور حرام چیزوں کی طرف دیکھنے سے صبر نہیں ہوتا ہے، اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو تصاویر کی طرف دیکھنے سے اپنے آپ پر قابو پالیتے ہیں لیکن امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور جہاد کی مشقت پر ان کی قوت تحمل و برداشت جواب دے دیتی ہے۔

کہا گیا ہے کہ: صبر نفس کی شجاعت اور بہادری کا نام ہے۔ اور اسی بات کو کسی نے اس طرح کہا ہے کہ: "شجاعت تھوڑی دیر صبر کر لینے کا نام ہے"۔ صبر اور جزع و فزع (بے صبری) دونوں باہم ضد و مخالف ہیں، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جہنمیوں کے بارے میں فرمایا: "سواء علينا أجزعنا أم صبرنا مالنا من محيص" (ابراھیم: ۲۱) "اب ہمارے حق میں برابر ہے ہم بیقراری کریں یا صبر کریں ہم کو خلاصی نہیں"۔

صبر کے اقسام وانواع اور اسکے متعلقات

صبر کی اپنے متعلقات اور لوازمات کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں:

(۱) اوامر اور طاعات پر صبر کرنا یہاں تک کہ ان کی ادائیگی سے سبکدوشی ہو جائے۔ (۲) نواہی اور مخالفات پر صبر کرنا تاکہ اس سے ان کا وقوع نہ ہو، (۳) فیصلہ خداوندی پر صبر کرنا تاکہ وہ اس سے ساقط نہ ہو، اور ان اقسام صبر کو اس طرح بھی کہا گیا ہے۔

''بندہ کے لئے ایک امر ہے جسے کرنا ضروری ہے، اور ایک نہی ہے جس سے اجتناب اور باز رہنا ضروری ہے، اور قضاء تقدیر ہے جس پر صبر کرنا ضروری ہے''۔

صبر کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ اختیاری، ۲۔ اضطراری، اختیاری صبر اضطراری سے بلند رتبہ اور کامل درجہ کا ہوتا ہے، اس لئے کہ اضطراری صبر میں سب ہی شریک ہوتے ہیں اور یہ اضطراری (مجبوری) کا صبر وہ لوگ کر لیتے ہیں جو اختیاری صبر سے قاصر رہتے ہیں، اسی وجہ سے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صبر عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) کی خواہش پر موافقت نہ کرنا ان کے بھائیوں کے کنوے میں ڈالنے پر ان کے صبر سے بلند رتبہ اور عظیم ترین درجہ کا تھا۔

انسان کسی بھی حال میں صبر سے مستغنیٰ اور بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مختلف احوال اس پر آتے ہیں کبھی ایسے امر اور معاملہ سے گزرتا ہے جس کی اتباع اور اس کا نافذ کرنا ضروری ہوتا ہے اور کبھی ایسی نہی کی درمیان سے جس سے اجتناب اور اس کا چھوڑنا ضروری ہوتا ہے اور کبھی فیصلہ خداوندی اتفاقی طور پر پیش آتے ہیں، اور کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر نعمت آتی ہے تو اس کے لئے اس کے شکر و امتنان کی

ادائیگی ضروری ہوتی ہے، اور جب اس طرح کے احوال کبھی اس کا دامن نہیں چھوڑتے ہیں پس موت تک اس کے لئے صبر کرنا ایک ضروری اور ناگزیر چیز ہے۔

انسان کو دنیا میں جو حالات پیش آتے رہتے ہیں وہ دو قسم کے ہوا کرتے ہیں ان میں سے ایک قسم یہ کہ وہ بندے کے عین منشا و غرض اور مراد کے موافق ہو، اور دوسری حالت کی قسم یہ کہ اس کے منشا و غرض کے مخالف ہو، انسان کو دونوں حالتوں میں صبر اور تحمل کی ضرورت پڑتی ہے، انسان کی غرض اور مراد کے موافق ہونے کی حالت یہ ہے کہ اسے صحت، جاہ اور مال حاصل ہو، اور انہیں حالتوں میں انسان کو صبر و تحمل اور برداشت کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے، اس کے کئی اسباب اور وجوہات ہیں جو درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ ان میں سے ایک وجہ یہ کہ بندے کا دل ان کی طرف بالکل مائل نہ ہو، اور نہ ان سے دھوکے میں پڑ جائے۔ اور نہ اسے ایسی بے جا اور مذموم خوشی و مسرت پر آمادہ کر دیں جن کی روش اللہ عزوجل کو قطعی ناپسند ہوتی ہے۔

۲۔ دوسرا یہ ہے کہ وہ اس کے پانے میں منہمک نہ ہو جائے۔

۳۔ تیسری وجہ یہ کہ ان میں اللہ کے حقوق کی ادائیگی پر صبر کرے۔

۴۔ چوتھی وجہ یہ کہ انہیں حرام اور ممنوع جگہوں پر نہ صرف کر کے صبر و استقامت کا مظاہرہ کرے، بعض سلف صالحین نے فرمایا کہ: ”مصیبت و بلاء پر مومن اور کافر دونوں ہی صبر کر لیتے ہیں، مگر عافیت پر صبر کرنا محض صدیقوں کا کام ہوتا ہے“۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”تنگدستی اور سختی کی آزمائش پر تو ہم صبر کر لیتے ہیں لیکن خوشحالی اور فراخ عیشی کی آزمائش پر دامن صبر ہم سے چھوٹ جاتا ہے“ اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مال، بیبیوں اور اولاد کے

فتنوں سے متنبہ کرتا رہتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ " (المنافقون:۹) "اے ایمان والو تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کردیں"۔

دوسری قسم یا حالت یہ کہ جو انسان کی خواہش ورغبت کے مخالف ہو، پھر یا تو وہ بندے کے اختیار سے وابستہ ہوگی جیسے طاعات اور معاصی؛ اور یا تو اس کا اول و آغاز اس کے اختیار سے مربوط اور وابستہ نہ ہوگا۔ جیسے مصائب، یا اس کا اختیار تو اس کے اول حصہ پر ہوگا لیکن اس کے آنے کے بعد اس پر اختیار باقی نہ رہے گا۔ پس اس طرح یہاں پر بندے کی خواہش کے خلاف کی تین قسمیں ہوئیں:

پہلی قسم یہ کہ وہ بندے کے اختیار سے وابستہ ہو، اور یہ اس کے تمام اعمال ہیں اور خواہ یہ طاعت کی قبیل سے ہوں یا معصیت کی قبیل سے، طاعت وعبادت میں انسان صبر و تحمل کا محتاج ہوتا ہے کیونکہ نفس کو طبعی طور پر بندگی کرنے سے بیگانگی اور کشیدگی محسوس ہوتی ہے، اور نماز سے آدمی کو بے گانگی اور بُعد اس لئے محسوس ہوتی ہے کہ وہ کاہل اور راحت پسند واقع ہوا ہے اور آرام وسکون کو ترجیح دیتا ہے خاص طور پر اگر سخت دل، گناہ کے رنگ، شہوتوں کی طرف میلان اور اصحاب غفلت کے ساتھ اختلاط کا اتفاق ہو جائے۔ اور اسی طرح زکاۃ سے آدمی کو طبعی نفور ہوتی ہے کیوں کہ نفس کے اندر طبعی اور فطری طور پر بخل اور شح کا عنصر موجود ہے اور اسی طرح حج اور جہاد میں بھی یہی بات ہے، لہٰذا انسان کو ان تین احوال میں صبر کی ضرورت پڑتی ہے۔

طاعت وعبادت شروع کرنے سے پہلے آدمی کو تصحیح نیت، اخلاص اور سچائی پر اور عبادت شروع کرنے کے وقت تقصیر و کوتاہی کے اسباب پر اور استحضار نیت پر صبر کی

ضرورت ہوتی ہے اور اس بات پر صبر کہ اس کے اعضاء کی بندگی کے قیام سے اس کے دل کی حضوری اللہ تعالیٰ کے روبرو سے معطل و ختم نہ ہو جائے۔

تیسری بات یہ کہ طاعت و عبادت سے فراغت کے بعد بندے کو ایسی چیزوں پر صبر کی ضرورت پڑتی ہیں جو عبادت کو باطل کریں، کیونکہ محض عبادت کی بجا آوری بڑی چیز نہیں ہے بلکہ بات تو یہ ہے کہ اسے ایسی چیزوں سے حفاظت کی جائے جو اسے باطل کردیں، لہٰذا آدمی کو ریاکاری، تکبر اور خود پسندی کے اسباب و دواعی سے پرہیز کرنے پر صبر کی ضرورت پڑے گی اسی طرح عمل کو مخفی اور راز کی جگہوں سے کھلی ہوئی جگہوں پر منتقل نہ کرنے پر صبر سے کام لے، کیونکہ آدمی اگر رازدارانہ طور پر کام کرتا ہے تو وہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان رہتا ہے، اور اسے راز کے دفتر میں لکھ دیا جاتا ہے، اگر اسے کہہ کر ظاہر کردیتا ہے تو اسے دفتر راز سے نکال کر کھلے دفتر میں منتقل کردیا جاتا ہے، پس کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ وہ عمل سے فراغت کے بعد اس سے صبر کا لبادہ لپیٹ دیا گیا ہے۔

رہا معاصی سے صبر اختیار کرنا تو اس کا معاملہ تو بالکل ظاہر ہے اور ترک معاصی پر صبر اختیار کرنے کے بارے میں جو سب سے بڑی چیز معین و مددگار ثابت ہوتی ہے وہ مالوفات (اشیائے مروجہ) کو منقطع کرنا، اور گناہوں پر مدد کرنے والے مجلسی دوستوں سے علیحدگی اختیار کرنا ہے۔

دوسری قسم یہ کہ وہ چیز بندے کے اختیار سے وابستہ نہ ہو، اور نہ اس کے دفع کرنے کیلئے اس کے پاس کوئی حیلہ و تدبیر ہو جیسے مصائب و بلیات، پھر یا تو یہ ایسی ہوگی جس میں انسان کا کوئی دخل و عمل نہ ہو جیسے موت اور بیماری، دوسری صورت یہ کہ وہ

چیز انسان کی طرف سے پہنچے جیسے گالی اور مار پیٹ۔

پہلی قسم (یعنی جو بندے کی اختیار سے نہ ہو) اس میں اس کے لئے چار مقامات ہیں، ۱۔ مقام عجز (یعنی جزع فزع اور شکوہ وشکایت)، ۲۔ مقام صبر، ۳۔ مقام رضا، ۴۔ مقام شکر، وہ یہ کہ مصیبت زدہ بلیہ ومصیبت کو نعمت خیال کر کے مجلی کا شکر بجالائے۔

اور جو چیز لوگوں کی طرف سے پہنچے اس میں بھی یہی چار مقام بشمول چار اور دیگر مقامات کے ہیں۔ وہ یہ ہیں: ۱۔ مقام عفو، (درگذر)، ۲۔ سینہ کی سلامتی کا مقام (یعنی جذبہ انتقام وغیرہ سے)، ۳۔ مقام تقدیر، ۴۔ برائی کرنے والے کیلئے بھلائی کرنے کا مقام۔

تیسری قسم یہ کہ: اس چیز کے آنے اور پیدا ہونے کا سبب بندے کے اختیار سے وابستہ ہو، لیکن جب وہ آجائے یا پیدا ہو جائے تو پھر اس کے اختیار سے باہر ہو جائے اور اس کا کسی تدبیر وحیلہ سے دفع کرنا اس کے لئے ناممکن ہو جائے۔

فضیلت صبر کے متعلق احادیث مبارکہ

صحیح مسلم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جسے کوئی مصیبت پہنچے، اور اس نے اللہ تعالیٰ نے جس دعا کے پڑھنے کا حکم فرمایا ہے پڑھ لیا ہو (إنا لله وإنا إليه راجعون اللهم أجرني في مصيبتي واخلف لي خيراً منها) مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس سے اچھا بدل عطا فرمائیں گے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے جب میرے شوہر کا انتقال ہوا۔ میں نے اپنے دل میں کہا ابو سلمہ (یعنی میرے شوہر) سے بہتر مسلمانوں میں کون ہو سکتا ہے، سب سے پہلے میرے گھر میں رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت فرمائی، پھر میں نے اس دعا کو پڑھی، پس اللہ تعالیٰ نے میرے لئے رسول اللہ ﷺ کو ایک سب سے اچھا بدل عطا فرمادیا (یعنی میری آپؐ سے شادی ہوگئی)

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس میرے بندۂ مومن کی میرے یہاں جزاء و بدلہ نہیں کہ دنیا والوں میں سے اس کے لخت جگر (لڑکے) کو قبض کر لیا پھر اس نے اس سے اجر وثواب کی امید کر کے صبر کر لیا ہو سوائے جنت کے"۔

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو مومن کو پہنچتی ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے گناہ کو معاف فرمادیتے ہیں یہاں تک کہ ایک کانٹا چبھے اس سے بھی"۔

مسند میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: مومن مرد یا مومن

عورت اپنے جسم، اور اپنے مال اور اپنی اولاد کے بارے میں برابر بلاء ومصیبت سے دوچار رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے وہ اس حال میں ملاقات کریگا کہ کوئی گناہ اس پر باقی نہ رہ جائے گا"۔

صحیح بخاری میں حضرت خباب بن اُرت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ "ہم نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت بیان کی۔ اور آپ اپنی چادر سے کعبہ کے سایہ میں تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ اور ہم نے عرض کیا کیا آپ ہمارے لئے (اللہ تعالیٰ سے) مدد ونصرت طلب نہیں کرتے اور دعا نہیں فرماتے، آپ نے فرمایا تمہارے پہلے لوگوں میں سے ایک آدمی کو پکڑ لیا جاتا، اور زمین میں اس کے لئے ایک گڑھا کھود کر اس میں اسے ڈال دیا جاتا، اور ایک آری لا کر اس کے سر پر رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیا جاتا اور اس پر لوہے کی کنگھیاں کر دی جاتیں جن سے اس کے خون اور ہڈی باہر نکل آتے لیکن یہ سب چیزیں اسے اس کے دین سے نہ ہٹا پاتیں، خدا کی قسم اللہ تعالیٰ اس دین کو ضرور بالضرور پورا کر کے رہے گا یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک جائے گا۔ اللہ اور بھیڑیا کے علاوہ اس پر اور بکری پر کوئی خوف وڈر نہ ہوگا۔ لیکن تم لوگ جلدی کر رہے ہو"۔

آثار سلف صالحین: بعض سلف صالحین نے فرمایا: اگر مصائب دنیا نہ ہوتے تو آخرت میں ہم مفلس ہو کر پہونچتے"۔ حضرت سفیان بن عیینہؒ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے سلسلہ میں فرمایا۔

"وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ"۔ (السجدة: ٢٤)

"اور ہم نے ان میں پیشوا کئے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے جب تک وہ صبر کرتے رہے۔ اور وہ ہماری آیتوں پر

یقین رکھتے تھے۔

یعنی جب انہوں نے اصل بات کو پکڑلیا تو ہم نے انہیں پیشوابنادیا، جس وقت لوگوں نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پیر کے کاٹنے کاارادہ کیا،لوگوں نے عرض کیا، اگر آپ کو کوئی چیز کھلادی جاتی جس سے آپ کو تکلیف کا احساس نہ ہو، فرمایا:اللہ تعالیٰ نے میرا امتحان لیاہے تاکہ وہ میرے صبر کو دیکھے تو کیا میں اس کی منشا کے خلاف کروں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے کسی بندے پر کوئی نعمت عطا فرمائی ہو پھراس کو اُس سے سلب فرما کراس کے بدلہ میں صبر عطا فرمادیا ہو تو یقیناًاس کی جگہ ملنے والا صبر اس سے سلب کی ہوئی نعمت سے بہتر ہے“۔

ایک بار حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے۔لوگ آپ کی عیادت کرنے آپ کے یہاں پہنچے۔لوگوں نے عرض کیا کیاہم آپ کے لئے کوئی حکیم (ڈاکٹر) بلاکر لائیں، آپ نے فرمایامجھے حکیم دیکھ چکاہے،لوگوں نے عرض کیا،اس نے آپ کے لئے کیابتلایا؟ فرمایا،اس نے کہاہے”**إني فعال لما اريد**“یعنی میں جو چاہوں کرنے والا ہوں“۔

حضرت سعید بن جبیرؒ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: مفہوم صبر بندے کا اللہ کا اعتراف کرنا ہے جو کچھ کہ اس کی طرف سے اس کو پہنچاہے اور اپنے پروردگار سے اجر ورضا اور ثواب کی امید کرنا، اور کبھی آدمی جزع فزع کرنے لگتا ہے حالانکہ وہ قوی اور مضبوط معلوم پڑتا ہے،اس سے دیکھا نہ جاتا سوائے صبر کے“۔

بندے کااعتراف اللہ کیلئے کرنا اس چیز پر جو اسے اس کی جانب سے پہونچے گویا یہ ”إنا للہ“ کی تفسیر ہے، وہ اعتراف اور اقرار اس بات کا کرتا ہے کہ وہ اللہ کی ملکیت ہے اور مالک اپنی ملکیت میں جو چاہے تصرف کرسکتاہے،اوراس سے اللہ کے پاس سے ملنے کی جو امید اور توقع

کرتا ہے گویا وہ "وانا الیہ راجعون" کی تفسیر ہے، یعنی جب ہم اس کی طرف واپس ہوں گے تو وہ ہمارے صبر کا بدلہ عنایت فرمائے گا۔ اور وہ بلاشبہہ مصیبت کے ثواب کو ضائع نہیں کرے گا۔

شکر:

حسن سلوک اور بھلائی کرنے والے کا تہہ دل سے مدح و تعریف کرنا۔

شکر در حقیقت تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے اور ان کے بغیر شکر کا اطلاق صحیح نہیں ہے، یعنی دل سے نعمت کا اعتراف کرنا، ظاہری طور پر اس کا اظہار کرنا اور اسے اللہ کی طاعت و عبادت کا ذریعہ بنانا، گویا شکر کا تعلق دل، زبان اور اعضاء وجوارح تینوں سے ہوا دل تو اللہ کی محبت و معرفت کے لئے زبان اس کی مدح و تعریف کیلئے اور اعضاء اس کی اطاعت و عبادت کرکے اور اس کی نافرمانیوں سے باز کرکے اس کا شکر بجالانے کیلئے ہے۔

اللہ عزوجل نے شکر کے رشتہ کو ایمان کے ساتھ وابستہ فرمایا ہے، اور اللہ نے بتلایا ہے کہ اسے اپنے بندوں کے عذاب دینے میں کوئی غرض وغایت نہیں ہے اگر وہ لوگ اس کا شکر بجالائیں اور اس پر ایمان و یقین رکھیں، چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

"مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيمًا (النسآء: ١٤٧)" اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر ادا کرو اور ایمان ویقین رکھو اور اللہ قدرداں ہے سب کچھ جاننے والا۔

اور اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بھی فرمایا کہ اہل شکر وہ بندگان خاصان خدا ہیں جو اس کے بندوں میں سے اس کے فضل واحسان کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔ اللہ عزوجل نے فرمایا:

"وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوا أَهٰؤُلَاءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ" اور اسی طرح ہم نے بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ سے آزمائش میں ڈال رکھا ہے تاکہ یہ لوگ

مِنۢ بَيۡنِنَا اَلَيۡسَ اللّٰهُ بِاَعۡلَمَ بِالشّٰكِرِيۡنَ" (الانعام: ۵۳) کہا کریں کیا یہ لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے ان پر اللہ نے فضل کیا ہے۔ کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ حق شناسوں کو خوب جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی دو تقسیم فرمائی ہے ایک شکر گزار لوگوں کی اور ایک ناشکر گزاروں کی، اور اللہ کے نزدیک سب سے مبغوض ترین شئ ناشکری اور ناشکر گزار لوگ ہیں، اور سب سے محبوب ترین شئ شکر مندی اور شکر گزار بندے ہیں، اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے:

"اِنَّا هَدَيۡنٰهُ السَّبِيۡلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوۡرًا (الدھر: ۳) "ہم نے اس کو راہ دکھایا (اب خواہ وہ شکر گزار ہو خواہ ناشکرا ہو۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّكُمۡ لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ وَلَئِنۡ كَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِىۡ لَشَدِيۡدٌ (ابراھیم: ۷) "اور جب تمہارے رب نے سنادیا اگر شکر مند ہو گے تو اور بھی تم کو دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب البتہ سخت ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنی مزید عطاو بخشش کو ان کے شکر ادا کرنے پر منحصر اور موقوف فرمایا ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ کے مزید کرنے کا کوئی حد و غایت نہیں ہے جیسا کہ اس کے شکر کرنے کی کوئی حد و غایت نہیں اللہ تعالیٰ نے بہت سی جزاؤں کو اپنی مشیئت وارادہ پر موقوف فرمایا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فسوف يغنيكم الله من فضله إن شاء (التوبہ: ۲۸) "اللہ تم کو اپنے فضل سے آئندہ غنی کردیگا اگر چاہے"۔

"ويغفر لمن يشاء" (المائدة: ٤٠) "اور اللہ بخشے جس کو چاہے"۔

اور اللہ تعالیٰ نے توبہ کے بارے میں فرمایا: "ويتوب الله على من يشاءُ" (التوبہ: ۱۵) "اور اللہ توبہ نصیب کریگا جس کو چاہیگا۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے جہاں جہاں شکر کے ذکر کو بیان فرمایا ہے وہاں پر اللہ نے اس کی جزاء و بدلہ کو مطلق آزاد ذکر فرمایا ہے یعنی اپنے ارادہ اور چاہنے پر معلق اور منحصر نہیں رکھا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وسنجزى الشكرين (آل عمران: ١٤٥) ہم شکر کرنے والوں کو بدلہ (ثواب) دیں گے۔

جس وقت اللہ کے دشمن ابلیس کو شکر کے مقام کی قدر و قیمت کا احساس ہوا اور یہ اسے معلوم ہوا کہ شکر کا مقام انتہائی اعلیٰ اور بلند تر ہے تو اس نے اپنی ساری جدو جہد اور کوشش و کاوش لوگوں کو شکر سے منقطع کرنے میں صرف کردی چنانچہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ م بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَاتَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ (الاعراف: ۱۷) "پھر ان پر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے حملہ کرونگا اور آپ اکثروں کو ان میں شکر گزار نہ پائیے گا"۔

اور اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اس کے بندوں میں شکر کرنے والے لوگ کم ہیں، جیسے اللہ عزوجل نے فرمایا:

وقليل من عبادى الشكور (سبا: ۱۳) "اور تھوڑے ہیں میرے بندوں میں شکر کرنے والے"۔

صحیحین میں نبی ﷺ سے مروی ہے کہ:

"انه قام حتى تفطرت قدماه فقيل له أتفعل هذا "رات بھر کھڑے کھڑے پائے مبارک میں ورم آجاتا، آپ سے عرض کیا جاتا، اللہ تعالیٰ

وقد غفر الله لك ماتقدم من ذنبك وماتاخر قال: أفلاأكون عبداً شكوراً" نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ کو معاف فرمایا ہے، پھر اس قدر تکلیف اٹھاتے ہیں فرمایا: کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں"

مسند میں ثابت ہے اور امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا:

واللہ انی لأحبك؛ فلاتنسی أن تقول دبر کل صلاۃ: اللھم أعنی علی ذکرك وشکرك وحسن عبادتك" (رواہ احمد) خدا کی قسم میں تم سے محبت کرتا ہوں پس تم ہر نماز کے بعد اس دعا کو پڑھنا مت بھول جانا، یعنی اللّٰھم أعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک"۔ "خدایا میری مدد اپنے ذکر پر اپنے شکر پر اور اپنی حسن عبادت پر فرمایئے"۔

شکر نعمتوں کے لئے بیڑی و بند ھن اور مزید بخشش و فضل کا سبب ہے، جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا: "قیدوا نعم اللہ بشکر اللہ" یعنی "اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے اس کی نعمتوں کو (اپنے اوپر) روک دو"۔ ابن ابی دنیا نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا آپ نے ہمذان کے ایک شخص سے فرمایا: "نعمت شکر کے ذریعہ پہنچتی ہے، اور شکر مزید سے وابستہ ہے گویا یہ دونوں باہم جڑے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید کا ہونا اسی وقت بند ہو گا جبکہ بندے کی طرف سے شکر سے رشتہ ٹوٹ جائے"۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اپنی ان نعمتوں کو بہت یاد کیا کرو، کیونکہ انہیں یاد کرنا در حقیقت ان کا شکر ادا کرنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم فرمایا ہے کہ وہ اپنے رب (پروردگار) کی نعمت کو بیان کریں، چنانچہ اللہ نے فرمایا: "واما بنعمة

ربلک فحدث "یعنی" اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کا بیان کرتے رہنا۔

اللہ تعالیٰ اپنے نعمت کی نشانی کو اپنے بندے پر دیکھنے کو پسند فرماتا ہے، کیونکہ یہ گویا زبان حال سے اس کا شکر ادا کرتا ہے۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے جب دریافت کیا جاتا آپ نے صبح کیسے کی: "فرماتے نعمتوں میں سراپاڈوب کر اور شکر سے بالکل عاجز ہو کر، ہمارا پروردگار ہم سے پیار و محبت کرتا ہے حالانکہ وہ ہم سے بے نیاز ہے، اور ہم اس سے بیزاری رکھتے ہیں حالانکہ ہم اس کے محتاج ہیں"۔

حضرت شریح ؒ نے فرمایا: کسی بندے کو کوئی مصیبت نہیں پہنچتی ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ پر اس کیلئے تین نعمت کا حق ہو جاتا ہے۔ ا۔ وہ مصیبت اس کے دین میں کسی فساد وخرابی کا باعث وسبب نہ ہو، ۲۔ اب اس پر آنے والی دوسری کوئی مصیبت اس سے سخت اور بڑی نہ ہو، ۳۔ وہ ایک ہونے والی بات تھی جو ہو گئی۔

یونس بن عبید ؒ نے فرمایا: "ایک شخص نے حضرت ابو غیمہ ؒ سے کہا: آپ نے صبح کیسے کی؟ فرمایا: میری صبح دو ایسی نعمتوں کے درمیان ہوئی اور میں یہ نہیں سمجھتا ہوں کہ ان دونوں میں سے کون میرے لئے زیادہ افضل ہے۔ ا۔ میرے کچھ ایسے گناہ تھے جن کو اللہ تعالیٰ پوشیدہ و مخفی فرمادیا پس کوئی شخص مجھے ان سے شرم وعار نہیں دلا سکتا ہے، ۲۔ اور ایک نعمت میرے لئے وہ محبت تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں ڈال دی اور میرا عمل اس محبت تک نہیں پہنچ سکتا تھا"۔

حضرت سفیان نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے سلسلہ میں فرمایا:

سنستدرجهم من حيث لايعلمون (ن: ٤٤) ہم ان کو آہستہ آہستہ ایسے طریق

سے کھینچیں گے کہ ان کو خبر ہی نہ ہو گی۔ یعنی اللہ انہیں خوب اپنی نعمتیں عطا فرماتا رہتا ہے۔ لیکن شکر اور حق شناسی کی توفیق نصیب نہیں فرماتا ہے، چنانچہ بہت سے لوگوں نے کہا ہے کہ "لوگوں نے جب کوئی گناہ و معصیت کیا تو ان کو کوئی نعمت بھی پہنچی"۔

ایک شخص نے ابو حازم سے کہا: دونوں آنکھوں کا شکر کیا ہے؟ فرمایا: اگر تم ان سے خیر و بھلائی دیکھو تو اس کا اظہار کرو، اور اگر ان سے شر و برائی دیکھو تو اسے پوشیدہ رکھو، پھر عرض کیا: کانوں کا شکر کیا ہے؟ فرمایا: ان سے خیر اور اچھائی کی بات سنو تو اسے محفوظ کر لو، اور اگر شر و برائی کو سنو تو اسے دفع اور دور کر دو، پھر عرض کیا، ہاتھوں کا شکر کیا ہے؟ فرمایا: ان سے ایسی چیز نہ پکڑو جو ان کے لئے جائز نہیں ہے۔ اور نہ ان سے اللہ کے کسی حق کو روکو جس کا کرنا ضروری ہے، اس شخص نے پھر عرض کیا: پیٹ کا کیا شکر ہے؟ فرمایا: اس کے نیچے حصہ میں تو کھانا ہو اور اوپر کے حصہ میں علم ہو، پھر اس نے عرض کیا: شرم گاہ کا کیا شکر ہے؟ فرمایا:

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ اور جو لوگ اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرتے ہیں
إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ فَمَنِ مگر اپنی عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال باندیوں
ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ پر سو ان پر کچھ الزام نہیں پھر جو اس کے سوا
الْعَادُونَ (المؤمنون: ۵، ۶، ۷) ڈھونڈیں سو وہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔

پھر اس نے عرض کیا دونوں پیروں کا شکر کیا ہے؟ فرمایا: اگر تم کسی ایسے مرے ہوئے شخص سے واقف ہو جس کے عمل سے تم کو رشک ہو تو اپنے پیروں سے اسی شخص جیسا عمل کرو، لیکن اگر تم کو اس کے عمل سے بیزاری ہو تو اس جیسے عمل سے باز آجاؤ اور اللہ کا شکر بجالاؤ، پس جس نے صرف اپنی زبان سے شکر ادا کیا اور اپنے سارے

اعضاء سے شکر بجا نہیں لایا تو اس کی مثال اس شخص کی مثال کی طرح ہے جس نے چادر کے ایک حصے کو پکڑ لی ہو لیکن اپنے بدن پر ڈال نہ رکھی ہو، تو ظاہر بات ہے کہ اس کا یہ عمل اسے گرمی، ٹھنڈی اولے اور بارش سے فائدہ نہیں پہنچائے گا۔

بعض علماء نے اپنے کسی بھائی کو خط میں لکھا: ہم پر اللہ کی نعمتیں بے حد و حساب ہو گئیں اور ان کے ساتھ ہی اسقدر گناہ بھی کرتے ہیں، تو ہمیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ ان دونوں میں سے کس کا شکر ادا کریں، یعنی اس نعمت کی آسانی پر یا برائی کے مخفی پر۔

توکل

توکل: امور دنیا اور آخرت کی مضرتوں کے دفع اور مصالح کے پیدا کرنے کے سلسلہ میں اللہ عزوجل پر دل کی اعتماد کی سچائی کی کیفیت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (الطلاق: ۲، ۳)

اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کیلئے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو روزی دیتا ہے جہاں سے اس کو خیال بھی نہ ہو اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ رکھے تو وہ اس کو کافی ہوگا۔

سو جس نے تقویٰ اور توکل کو پورا کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کے دین اور دنیا کی مصلحتوں کے لئے کافی ہو جاتا ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"لوأنکم کنتم توکلون علی "اگر تم لوگ اللہ پر ایسا توکل اور اعتماد کرو

الله حق توكله لرزقكم كما جیسا کہ اس پر توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو اس ترزق الطير تغدو خماصاً و طرح روزی دے جس طرح کہ پرندوں کو دیتا تروح بطاناً (رواه الترمذی) ہے وہ صبح کو بھوکے اپنے آشیانوں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں"۔

امام ابو حاتم رازیؒ نے فرمایا کہ: یہ حدیث باب توکل میں اصل ہے اور یہ ان عظیم ترین اسباب میں سے ہے جن کے ذریعہ رزق حاصل کیا جاتا ہے۔

حضرت سعید بن جبیرؒ نے فرمایا: "توکل جامع ایمان ہے" توکل کو پورا کرنا ان اسباب کے اختیار کرنے کے منافی نہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے چیزوں کے ساتھ مقدر فرمادیا اور اس کے مخالف نہیں اور اس کا طریقہ مخلوق میں رائج ہے: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے توکل اختیار کرنے کے ساتھ اسباب اپنانے کا بھی حکم فرمایا ہے پس اعضاء کے ذریعہ اسباب کے سلسلہ میں کوشش و کاوش کرنا عبادت ہے اور دل سے اللہ پر توکل کرنا ایمان ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعاً (النساء: ٧١) "اے ایمان والو اپنے بچاؤ کا سامان لے لو پھر جدا جدا یا سب اکٹھے نکلو"۔

حضرت سہلؒ نے فرمایا جس نے حرکت یعنی جدوجہد کرنے پر تنقید کیا تو اس نے سنت پر تنقید کیا، اور جس نے توکل کو اپنی تنقید اور طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا تو اس نے ایمان پر تنقید کیا۔ توکل نبی ﷺ کا حال تھا اور کسب اختیار کرنا (یعنی روزی کمانا) آپ کی سنت تھی پس جس نے آپ کے حال پر عمل کیا تو وہ ہرگز آپ کی سنت کو نہیں چھوڑے گا۔

کہا گیا ہے کہ "اسباب کو اختیار نہ کرکے تشریع کو ہدف تنقید بنانا ہے اور محض

اسباب کا معتقد اور قائل ہونا توحید پر تنقید کرنا ہے"۔

بندے کے اعمال کی قسمیں

بندے کے اعمال کی تین قسمیں ہیں:

ایک ان میں سے وہ عبادات و طاعات ہیں جن کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم فرمایا ہے اور انہیں دوزخ کی آگ سے نجات اور جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ و سبب بنایا ہے پس یہ اللہ تعالیٰ پر توکل اور اس سے مدد طلب کر کے کرنا ضروری ہے، اور اللہ سے مدد طلب کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اللہ کے بغیر کوئی قوت اور طاقت نہیں ہے اور اللہ نے جو کرنا چاہا وہ ہو گیا اور جو نہیں چاہا وہ نہیں ہوا۔ لہٰذا جس نے بھی ان ضروری چیزوں میں تقصیر و کوتاہی کی تو وہ دنیا اور آخرت میں شرعی اور فیصلہ خداوندی کے لحاظ سے سزا کا حقدار ہوگا۔

یوسف بن اسباطؒ نے فرمایا: "کہا جاتا ہے اس شخص کے عمل کی طرح عمل کرو جس کو نجات صرف اس کا عمل ہی دے سکتا ہو اور اس شخص کی طرح توکل رکھو کہ جس کو کچھ بھی نہ پہنچے مگر وہی چیز جو اس کیلئے لکھدی گئی ہے"۔

دوسری قسم عمل کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں ایک عادت کے طور پر جاری فرمایا ہے اور اپنے بندوں کو اسے اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے، جیسے بھوک کے وقت کھانا کھانا، اور پیاس کے وقت پانی پینا، اور گرمی سے سایہ اختیار کرنا اور ٹھنڈک سے گرمی حاصل کرنا وغیرہ وغیرہ پس انسان پر ضروری ہے کہ اس کے اسباب کو اختیار کرے ورنہ جس نے اس سلسلہ میں کوتاہی و سستی کر کے اس پر قدرت رکھنے کے باوجود چھوڑ دیا یہاں تک کہ اسے ضرر و تکالیف پہنچ گئی تو وہ حد سے بڑھنے والا ہوا اس لئے وہ سزا کا مستحق و سزاوار ہوگا۔

تیسری قسم عمل کی یہ کہ: اللہ تعالیٰ نے اس سے دنیا میں عام طور پر عادت بنائی ہے، اور کبھی اللہ اس عادت کے خلاف بھی اپنے بندوں میں سے جس کے ساتھ چاہتا ہے کرتا ہے اور اس کی متعدد قسمیں ہیں: جیسے مثلاً دواؤں کا استعمال کرنا اور اس سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ اس مریض کو جس نے توکل کو پورا کر لیا ہو دوا لینا افضل ہے یا اسے چھوڑ دینا افضل؟

اس سلسلہ میں دو مشہور قول ہیں اور امام احمدؒ کا ظاہر قول یہ ہے کہ توکل کرنا اس کے لئے افضل اور بہتر ہے جو اللہ پر اعتماد و توکل کے لحاظ سے قوی اور مضبوط ہو کیونکہ اس کے متعلق نبی ﷺ سے صحیح حدیث ہے آپ نے فرمایا:

"يدخل الجنة من امتي سبعون ألفاً بغير حساب ثم قال: هم الذين لايتطيرون ولايسترقون ولايكتوون وعلى ربهم يتوكلون" (رواه البخاري)

میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے اور پھر آپ نے فرمایا یہ وہ بندگان خدا ہوں گے جو شگون بد نہیں لیتے اور منتر نہیں کراتے اور جسم پر داغ نہیں لگواتے بلکہ اپنے پروردگار پر توکل اور بھروسہ کرتے ہیں۔

اور جن لوگوں نے دوا اختیار کرنے کو افضل کہا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ دوا کا استعمال کرنا نبی ﷺ کا حال تھا اور اس پر آپ مداومت فرماتے تھے اور ظاہر بات ہے کہ آپ ﷺ افضل چیز اختیار فرمائیں گے اور حدیث کو اس تعویز و گنڈہ کے مکروہ ہونے پر معمول کی جائے گی جس سے شرک وغیرہ کا اندیشہ ہو، اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس کو کیّ اور طیرۃ کے ساتھ متصل بیان فرمایا ہے اور یہ دونوں مکروہ ہیں۔

مجاہد، عکرمہ، نخعی اور بہت سے سلف صالحین نے فرمایا: ”کلی طور پر ترک اسباب اختیار کرنے کی اجازت اسی شخص کو ہے جس کا دل مخلوق کی طرف میلان سے بالکل منقطع ہو گیا ہو“۔

اسحاق بن راہویہؒ سے دریافت کیا گیا: کیا انسان کے لئے جنگل میں بغیر زاد و توشے کے جانا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر وہ شخص توکل میں حضرت عبداللہ بن جبیرؒ کی طرح ہو تو وہ بے زاد و توشہ کے جنگل میں جا سکتا ہے، ورنہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ سے محبت

اللہ سے محبت کا مقام اور رتبہ سب سے اعلیٰ اور بلند تر مقامات میں سے ہے، اور دولت محبت سے بہرہ ور ہونے کے بعد ہر مقام محبت ہی کا نتیجہ اور ثمرہ ہوتا ہے جیسے شوق، انس، رضا، اور محبت سے پہلے کے مقامات بھی دراصل محبت ہی کے پیش خیمہ ہوتے ہیں جیسے توبہ، صبر، زہد وغیرہ۔

قطعی طور پر سب سے نفع تر، واجب تر، اعلیٰ تر محبت وہی ہے کہ قلوب اللہ کی محبت کرنے پر گوندھ دیئے گئے ہوں اور انسانی فطرت اس کے معبود کے اقرار و اعتراف پر مجبور ہو۔ کیونکہ معبود حقیقی وہی ہو سکتا ہے کہ قلوب اس کی محبت، اس کے اجلال، اس کی عظمت، اس کے لئے خشوع و خضوع اور اس کی عبادت و بندگی کا اعتراف کرنے لگیں، اور عبادت و بندگی کرنے کے لائق صرف اللہ وحدہ کی ذات مبارکہ ہے۔ اور عبادت کمال خضوع اور ذلت کے ساتھ کمال محبت ہی کو کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے محبت لذاتہ ہوتی ہے یعنی تمام وجوہ سے مستقلاً اسی کیلئے ہوتی ہے۔ اور

خدا تعالیٰ کے علاوہ سے محبت بالذات نہیں ہوتی ہے بلکہ محبت لغیرہ ہوتی ہے۔ اللہ کی محبت کے لزوم اور وجوب پر اس کی تمام آسمانی کتابیں، سارے انبیاء ورسولوں کی دعوت، اور خود انسانی فطرت جس پر اللہ نے اسے پیدا فرمایا ہے اس کے عقل کے تقاضے اور اس پر اللہ کی نعمتیں دلالت کرتی ہیں۔ کیونکہ قلوب ہر اس شخص کے ساتھ طبعی طور پر محبت کرتے ہیں جو ان سے حسن سلوک اور نوازش وانعام کا معاملہ کرتا ہے تو پھر کیونکر اس ذات سے محبت نہ کریں کہ تمام احسان واکرام کا معاملہ اسی کی طرف سے ہو اور ساری مخلوق پر جو بھی نیکی و بھلائی پہنچتی ہے اسی ذات وحدہ لاشریک کی شان قدرت سے ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْئَرُوْنَ (النحل: ۵۳) "اور جو کچھ تمہارے پاس نعمت ہے سو اللہ کی طرف سے ہے پھر جب تم کو کوئی مصیبت پیش آجائے تو اسی کی طرف نالہ و فریاد کرتے ہو"۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء حسنیٰ اور اپنی صفات عالیہ سے جس طرح اپنا تعارف اپنے بندوں سے کرایا ہے اور جو اللہ کے وجود پر اس کے کمال مصنوعات کی نشانیاں اور جو اس کے غیر معمولی جلال و عظمت پر دلالت کرتی ہیں یہ تمام چیزیں بندوں سے اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا تقاضا کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ" (البقرة: ۱۶۵) "اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کے برابر اوروں کو بناتے ہیں اور ان سے خدا کی سی محبت کرتے ہیں لیکن جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ ہی سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ" (المائدہ:٥٤)

"اے ایمان والو جو کوئی تم میں اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ عنقریب ایسی قوم کو لاوے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتے ہونگے۔ اور جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور کسی ملامت کرنے والے سے نہ ڈریں۔

نبی ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا:

"لایؤمن عبد حتی یکون هو أحب اليه من ولده ووالده والناس أجمعین" (متفق علیه)

"کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک آپ ﷺ اس کے نزدیک اس کے لڑکے اور اس کے والد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جائیں۔

آپ ﷺ نے حضر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"لاحتی اکون أحب اليك من نفسك" (متفق علیه)

یعنی تم مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ میں تمہارے نزدیک تمہارے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤں"۔

"جب نبی ﷺ محبت کی اور اس کی لوازمات میں ہمارے نفس سے زیادہ حقدار ہیں تو کیا پھر اللہ جل جلالہ اپنی محبت اور عبادت کے بارے میں ہمارے نفس سے زیادہ مستحق نہیں ہوں گے"؟۔

اللہ کی طرف سے جو کچھ بھی بندے کو پہنچتا ہے ان میں اس کے لئے اللہ سے محبت کا پیام مضمر ہوتا ہے چاہے بندہ انہیں پسند کرتا ہو یا ناگوار، اس کی عطاو بخشش اور اس سے رک جانے، اس کے در گزر کرنے اور اس کی آزمائش اور اس کے روزی کے تنگ کرنے اور اسے وسیع کرنے، اس کے عدل و فضل اور اس کے مارنے جلانے، اس کی بھلائی، اس کی رحمت، اس کے احسان، اس کی ستر پوشی، اس کے عفو و حلم، اس کے بندوں کے اوپر صبر کرنے اور اس کے دعا کے قبول کرنے، اس کی مصیبت کو دور کرنے اس کی فریاد کو سننے اور اس کی تکلیف کو زائل کرنے میں (بغیر اس کے کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی کوئی ضرورت ہو بلکہ اس سے ہر وجوہ سے مستغنی و بے نیاز ہے) قلوب کیلئے اللہ کی بندگی اور اس کی محبت کی دعوت کا سامان موجود ہے۔ اگر ایک شخص کسی کے ساتھ ادنی درجہ کی کوئی نیکی و بھلائی کر دیتا ہے تو اس کا دل اس کی محبت کیلئے بے اختیار ہو جاتا ہے، پھر بندہ اپنے دل اور اعضاء سے اس ذات وحدہ سے محبت کیونکر نہ کرے جس کی بھلائی اور احسان کو اپنے گناہوں کے باوجود ہر وقت دیکھتا رہتا ہے۔

اس کی نیکی و بھلائی اس کی طرف آتی ہے اور اس کا شر اس کی طرف پہنچتا ہے، اپنی نعمتوں سے مخلوق کے نزدیک محبوب بن جاتا ہے حالانکہ وہ اس سے بے نیاز ہے اور بندہ اپنی معاصی سے اس کے نزدیک مبغوض ہو جاتا ہے حالانکہ وہ اس کا ضرورت مند ہے، نہ تو اس کا احسان، اس کی نیکی اور اس پر اسکا انعام اسے اس کے گناہ سے روکتا ہے اور نہ بندے کی معصیت اور کمینگی سے اس کے پروردگار کا فضل واحسان منقطع اور ختم ہوتا ہے۔

مخلوق میں سے جس سے بھی تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتا ہے تو اس سے اس کا ارادہ اپنی ذات کیلئے ہوتا ہے اور اس کی کوئی غرض تم سے وابستہ ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت جو ہوتی ہے وہ صرف تمہارے لئے ہوتی ہے۔

اور مخلوق میں سے جس کے ساتھ بھی تم معاملہ کرتے ہو اگر اس معاملہ میں اس کے لئے کوئی فائدہ نظر نہ آتا ہو تو وہ تمہارے ساتھ معاملہ نہیں رکھے گا اور یہ بات ضروری ہے کہ اس کیلئے کسی طرح کا بھی فائدہ ملے، لیکن اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ اس لئے معاملہ کرتا ہے کہ تم کو بڑے سے بڑا فائدہ حاصل ہو، اسی لئے وہ ایک درہم کے ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک کر دیتا ہے، لیکن ایک برائی کا بدلہ ایک برائی ہی سے دیتا ہے اور برائی بہت جلد مٹ بھی جانے والی ہوتی ہے۔

نیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تم کو اپنے لئے پیدا فرمایا اور دنیا اور آخرت کی تمام چیزیں تمہارے لئے پیدا فرمائی لہٰذا اس کی محبت کے سلسلہ میں جدوجہد صرف کرنے اور اس کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اس سے زیادہ کون مستحق ہو سکتا ہے۔

تمہارا مطالبہ اور حقوق بلکہ ساری مخلوق کا مطالبہ اسی کے پاس ہے، کیونکہ وہی سب سے بڑا فیاض اور نہایت سخی ہے، اپنے بندوں کو ان کے سوال کرنے سے پہلے ہی ان کی توقع سے زیادہ عطا کرتا ہے، تھوڑے عمل کو قبول فرما کر اس میں ترقی دیتا ہے، لوگوں کی بہت سی خطائیں معاف کر کے انہیں مٹا دیتا ہے، آسمان و زمین کی ہر ایک چیز اسی سے سوال کرتی ہے، ہر روز اس کی ایک نئی شان ہوتی ہے، کسی بات کا سننا اسے غافل اور نہ کثرت مسائل اسے غلطی میں مبتلا کرتے ہیں، اور نہ لوگوں کے بہت اصرار کرنے سے اکتاتا اور بیزار ہوتا ہے، بلکہ دعا میں الحاح وزاری کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے اور وہ یہ پسند فرماتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور اس سے سوال نہ کرنے سے غصہ ہوتا ہے اسے اپنے بندوں سے شرم وحیا آتی ہے لیکن لوگوں کو اس سے شرم نہیں آتی، وہ لوگوں کی ستر پوشی کرتا ہے لیکن لوگ اپنی خود ستر پوشی نہیں کرتے، وہ بندوں پر رحم

فرماتا ہے لیکن بندے اپنے پر رحم نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں اور اپنے فضل واحسان کے ذریعہ لوگوں کو اپنی عظمت و بڑائی اور اپنی رضا و خوشنودی کی طرف بلایا لیکن لوگوں نے اس کی دعوت پر لبیک نہیں کہا، پھر لوگوں کی ہدایت کیلئے انبیاء و رسولوں کو مبعوث فرمایا اور ان کے ساتھ اپنی تعلیمات اور عہد و میثاق بھی بھیجا، اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ خود بنفس نفیس ہر رات کے آخری حصہ میں اتر کر آتا ہے، اور نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے یہ فرماتے ہیں۔

"ينزل ربنا تبارك وتعالىٰ كل ليلة الى السماء الدنيا حين يبقى ثلث الليل الآخر فيقول من يدعوني فاستجيب له ومن يسألني فأعطيه ومن يستغفرني فاغفرله"

"ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات سماء دنیا تک نزول فرماتا ہے، جس وقت کہ آخری رات کی تہائی باقی رہ جاتی ہے اور فرماتا ہے کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے میں اسکی دعا کو قبول کروں، اور کوئی ہے جو مجھ سے مانگے میں اس کو عطا کروں، اور کوئی ہے جو مجھ سے معافی چاہے میں اس کو معاف کردوں"۔

قلوب اس سے محبت اس لئے کرتے ہیں کہ ہر بھلائی اور نیکی کا پہنچانے والا وہی ہے دعاؤں کا قبول کرنا، لغزشوں کو معاف کرنا اور عیبوں کو پوشیدہ رکھنا اسی کا کام ہے اور وہی درد و غم کو دور کرتا ہے اور فریادوں کو سنتا ہے اور اس کے سوا کون ہے جو فرمائشوں پر دیتا ہو؟

پس اسی کا سب سے بڑا حق ہے کہ اسے یاد کیا جائے، اس کا شکر ادا کیا جائے، اس کی عبادت کی جائے، اس کی حمد و تعریف کی جائے، اور اگر اس سے مدد طلب کی جائے تو

سب سے زیادہ مدد کرنے والا، سب سے زیادہ رحم دل، اگر اس سے سوال کیا جائے تو سب سے بڑا فیاض اور سخی، فضل و بخشش میں نہایت فراخ دل، اگر اس سے رحم چاہا جائے تو بہت مہربان و شفیق، اگر اس کا قصد کیا جائے غایت درجہ شریف اور بزرگ اور اگر اس کی طرف پناہ لی جائے تو انتہائی قوی اور زبردست اور اگر اس پر توکل واعتماد کیا جائے تو سب سے زیادہ کفالت کرنے والا ہے، اور اپنے بندے پر اس ماں سے زیادہ رحم و شفقت کرنے والا ہے جو اپنے لڑکے پر کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کی توبہ سے اس مسافر آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو کسی ایسی غیر آباد اور سنسان زمین پر اتر گیا جو سامان حیات سے خالی اور اسباب ہلاکت سے بھرپور ہو اور اس کے ساتھ بس اس کی اونٹنی ہو اس پر اس کے کھانے پینے کا سامان ہو پھر اچانک وہ اونٹنی کو غائب پائے اور وہ اپنی زندگی سے ناامید ہو گیا ہو لیکن پھر وہ دیکھے کہ اس کی اونٹنی اس کے پاس موجود ہے تو جتنا خوش یہ مسافر اپنی اونٹنی کے ملنے سے ہو گا مومن بندے کے توبہ کرنے سے خدا اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے؛ وہ ایسا بادشاہ ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں اور ایسا منفرد کہ اس کا کوئی برابر نہیں، ہر چیز ہلاک ہو جانے والی ہے سوائے اس کی ذات کے، اس کی مشیت سے ہی اطاعت و فرمانبرداری ہوتی ہے اور اس کے علم میں ہوتے ہوئے معصیت ہوتی ہے، بندے کی اطاعت و فرمانبرداری کو قبول کرتا ہے، اور اس کی توفیق اور فضل سے بندے کو اطاعت و فرمانبرداری کرنے کی توفیق ملتی ہے اور بندے کے گناہ کو معاف اور اس کی مغفرت فرما دیتا ہے مگر اس کا حق ضائع کیا جاتا ہے، وہ لوگوں سے قریب تر ہے اور بہت حفاظت کرنے والا ہے، عہد و وعدہ کو پورا کرنے والا اور انتہائی عدل و انصاف کرنے والا ہے، نفسوں کے درمیان حائل ہے،

لوگوں کی پیشانیاں اس کے قبضہ میں ہیں، آثار وعلامات کو لکھتا ہے اور اوقات کو منسوخ کردیتا ہے، اور دل اس سے راز فاش کرتے ہیں اور بھید اس کے نزدیک ظاہر اور غیب کھلا ہوا ہے ہر شخص اس سے مدد چاہتا ہے اور تمام چہرے اس کے نور سے جھکے ہوئے ہیں اور عقل ودانش اس کی حقیقت تک پہنچنے سے عاجز و قاصر ہیں، اور اس کے نظیر اور مثیل نہ ہونے پر تمام طبعی اور قدرتی چیزیں اور سارے دلائل و براہین دلالت کرتے ہیں اور اس کے چہرہ کے نور و تابش سے تاریکیاں چھٹ گئیں اور زمین و آسمان مستنیر اور روشن ہوگئے ہیں، اور اس کی وجہ سے تمام مخلوقات کے اندر درستگی اور عمدگی پیدا ہوگئی ہے، اور وہ سوتا نہیں ہے اور سونا اس کے لئے مناسب بھی نہیں، ترازو کو کبھی جھکاتا ہے اور کبھی بلند کرتا ہے، رات کا عمل دن آنے سے پہلے پہلے اس کے پاس پہنچ جاتا ہے اور دن کا عمل رات کے آنے سے قبل پہنچ جاتا ہے، اس کا حجاب ایسا نور ہے اگر وہ اسے ہٹادے تو اس کے چہرہ کا جلال مخلوق کی انتہائے نظر تک کو جلا کر رکھ دے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت قلوب کی زندگی اور روحوں کی غذا ہے اور اس کی محبت ہی سے قلب کیلئے لذت، کامیابی، معرفت اور زندگی ہے اور قلب جب محبت الٰہی سے محروم ہو جائے تو اسے اس قدر تکلیف اور درد و بے چینی ہوتی ہے جتنی آنکھ کو اس کی قوت بینائی کے نہ ہونے سے نہیں ہوتی ہے اور نہ کان کو اس کے قوت سماعت کی نہ ہونے سے ہوتی ہے، بلکہ قلب کا فساد و خرابی، جب وہ اپنے خالق و مالک کی محبت سے خالی ہو، تو یہ اس جسم و بدن کی خرابی سے بڑی خرابی ہے جب روح اس سے نکل جائے، اور یہ ایسی چیز ہے جس کی تصدیق وہی کر سکتا ہے جس کے اندر زندگی ہو ورنہ تو پھر بے جان جسم پر زخم سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی ہے۔

آثار:۔ حضرت فتح موصلیؒ نے فرمایا: ”محبت کرنے والے کیلئے اللہ کی ذات کے سوا کوئی لذت نہیں“ اور وہ ذکر الٰہی سے پلک جھپکنے کے بقدر بھی غافل نہیں ہوتے ہیں۔ اور بعض سلف صالحین نے فرمایا۔ ”محبت کرنے والے کا دل ہمیشہ مائل بہ پرواز ہوتا ہے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے اور انتہائی ذوق و شوق کے ساتھ نوافل و آداب کو بجالا کر ان سے اللہ کی رضا و خوشنودی کو طلب کرتا ہے“۔

کسی عربی شاعر نے کہا ہے:

وکن لربك ذاحب لتخدمه ان المحبين للأحباب خدام

تم اپنے پروردگار سے محبت کرنے والے ہو جاؤ تاکہ تم اس کی خدمت کرو، کیونکہ محبت کرنے والے احباب اور دوستوں کی خدمت کرنے والے ہوتے ہیں۔

سلف صالحین میں سے ایک عورت نے اپنے بچوں کو وصیت کرتے ہوئے کہا: اپنے آپ کو اللہ کی محبت اور اسکی اطاعت کا عادی اور خوگر بناؤ کیونکہ اصحاب تقویٰ و ورع اللہ کی عبادت سے انس حاصل کرنے کے بعد ان کے اعضاء کو اس کے غیر سے وحشت ہو جاتی ہے، اگر کوئی ملعون کوئی گناہ کا کام ان پر پیش کرتا ہے تو وہ گناہ ان کے سامنے سے بہت شرم و حیا سے گزر جاتا ہے اور وہ اس گناہ کا دل سے انکار کرتے ہیں۔

ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

تعصى الاله وأنت تزعم حبه هذالعمری فی القیاس بدیع
لو کان حبك صادقاً لاطعته ان المحب لمن یحب مطیع

تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہو اور اس کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو، میری عمر کی قسم عقل و قیاس کے لحاظ سے یہ بات بالکل انوکھی ہے، اگر تمہاری محبت اس سے سچی ہوتی تو تم بالضرور اس کی اطاعت کرتے کیوں کہ عاشق اپنے محبوب کا مطیع اور فرمانبردار ہوتا ہے۔

قضاء و تقدیر پر ایمان رکھنا

بندہ جن چیزوں کو ناپسند کرتا ہے اس کے لئے ان میں دو درجے ہیں ایک درجہ رضا، اور ایک درجہ صبر، رضا ایک باعث فضیلت اور مستحب چیز ہے، اور صبر مومن آدمی پر واجب و ضروری ہے،

اصحاب رضا کبھی آزمائش کرنے والے کی حکمت اور مصیبت کو اس کے بندے کے حق میں فائدہ و بھلائی کا مشاہدہ کرتے ہیں اور قضاء و تقدیر پر الزام نہیں رکھتے ہیں اور کبھی امتحان و آزمائش لینے والے کی عظمت اس کے جلال اور کمال کا مشاہدہ کرتے ہیں تو وہ اس احساس کے مشاہدہ میں ایسے مستغرق اور ڈوب جاتے ہیں کہ انہیں درد و تکلیف کا قطعی احساس و شعور نہیں ہوتا۔ ارباب معرفت و محبت کے خواص ہی لوگ اس درجہ تک پہنچ پاتے ہیں، یہاں تک کہ بسا اوقات یہ حضرات ان حالات و کوائف کے مشاہدہ کرنے کی وجہ سے اپنی ابتلاء و آزمائش کو پر لذت اور پر کیف دیکھتے ہیں۔

رضا اور صبر کے درمیان فرق: نفس کو درد و تکلیف کے باوجود، اس کے زوال کی آرزو رکھتے ہوئے غصہ اور جزع و فزع کرنے سے روکنا اور باز رکھنا صبر ہے۔ اور رضا: نفس کا قضا و تقدیر پر کشادہ دلی اور وسعت صدری کے ساتھ درد و تکلیف کے زوال کی آرزو، نہ کرتے ہوئے اس پر ایمان لانا ہے لیکن رضا سے دل میں یقین و معرفت کی روح پیدا ہو جانے سے تکلیف کا احساس کم ہو جاتا ہے اور اگر بندے کے اندر کیفیت رضا قوی ہو جائے تو احساس تکلیف و درد بالکل ہی ختم ہو جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"إن الله إذا أحب قوماً ابتلاهم، فمن رضی له الرضا، ومن سخط فعليه السخط" (ترمذی) "اللہ عزوجل جب کسی قوم سے محبت فرماتے ہیں تو اس کا امتحان (بھی) لیتے ہیں، پس جو اللہ سے راضی رہا تو اس کے لئے رضا اور خوشنودی ہے اور جو اس سے ناخوش اور غصہ ہوا تو اس کے لئے ناخوشی اور غصہ ہے"۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے اپنے انصاف اور علم سے خوشی اور مسرت کو یقین اور رضا کے اندر رکھا ہے، اور غم ورنج کو شک اور غصہ میں رکھا ہے"۔

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کریمہ کے سلسلہ میں فرمایا:

"ومن یومن بالله یهدقلبه" (التغابن: ۱۱) "جو اللہ پر ایمان لائے گا وہ اس کے دل کو راہ بتلائے گا"۔

یعنی بندے کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے اور وہ یہ جان لیتا ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے آئی ہے تو اسے وہ خوش دلی سے قبول کرلیتا اور اس پر راضی اور خوش ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو معاویہ اسود رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق فرمایا:

"فلنحیینه حیوٰة طیبة" النحل: ۹۷) "تو اس کو ہم ایک اچھی زندگی دینگے"۔

یعنی رضا اور قناعت اس کی زندگی میں عطا فرمائیں گے۔

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے عدی بن حاتم کو انتہائی افسردہ اور غمگین دیکھا۔ فرمایا: کیا بات ہے میں تم کو بہت غمگین اور افسردہ دیکھ رہا ہوں؟ عرض کیا کہ مجھے اس سے کونسی چیز روک اور باز رکھ سکتی ہے حالانکہ میرے دو لڑکوں کو قتل کردیا گیا اور میں اپنی آنکھوں سے اندھا کردیا گیا ہوں، آپ نے فرمایا: اے عدی جو اللہ

کے فیصلہ اور اس کی تقدیر پر راضی رہا تو وہ اس پر جاری ہوگا اور اس کے لئے اس میں بڑا اجر و ثواب ہے، اور جو فیصلہ خداوندی پر راضی نہ رہا تو وہ اس پر جاری ہوگا اور اس کا عمل ضائع اور بیکار ہوگیا۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ ایک شخص پر داخل ہوئے جس کا انتقال ہو رہا تھا اور وہ شخص اللہ کی حمد و ثنا کر رہا تھا، فرمایا: تم بالکل صحیح اور درست کام کر رہے ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کوئی فیصلہ نافذ فرماتے ہیں تو یہ بات پسند فرماتے ہیں کہ اس سے راضی رہا جائے۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا: "جو اپنی قسمت اور اپنے حصہ پر راضی برضا رہا تو اللہ تعالیٰ اس میں کشادگی اور برکت عطا فرماتے ہیں اور جو راضی نہ رہا تو برکت اور فراخی سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں"۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا: "میرے لئے خوشی اور مسرت کے اسباب صرف قضا و تقدیر کی جگہیں باقی رہ گئی ہیں" آپ سے عرض کیا گیا، آپ کس چیز کو پسند فرماتے ہیں؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ جس چیز کا فیصلہ فرما دیتا ہے،

حضرت عبدالواحد بن زیدؒ نے فرمایا: "رضا اللہ تعالیٰ کے عظیم ترین باب دنیا کی جنت اور عابدین کے آرام و راحت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے"۔

بعض سلف صالحین نے فرمایا: "اللہ عزوجل سے ہر حال میں راضی اور خوش، رہنے والے آخرت میں سب سے بلند ترین درجہ پر فائز نظر آئیں گے۔ پس جسے رضا عطا کر دی گئی تو وہ بلند ترین درجے پر فائز ہوگا"۔

ایک اعرابی (دیہاتی) نے اس حالت میں صبح کی کہ اس کے بہت سارے اونٹ مر گئے تھے اس نے کہا: نہیں خدا کی قسم میں تو بس اللہ کی عبادت و بندگی کرنے کا بندہ

ہوں، اگر حسد کرنے والے دشمنوں کی خوشی نہ ہوتی تو مجھے اس بات میں خوشی نہ ہوتی کہ میں اونٹ کی جگہوں کی پروانہ کروں اور اللہ تعالیٰ نے کسی بات کا فیصلہ فرمادیا ہو لیکن وہ پورا نہ ہو سکا ہو۔

امید

امید: محبوب اور اس کے پاس جو کچھ ہے اس کے انتظار میں دل میں خوشی و مسرت کا پیدا ہونا۔

اگر امید کیلئے اسباب بالکل موجود نہیں تو پھر ایسی امید کو ایک دھوکا اور بے وقوفی سے تعبیر کرنا زیادہ صادق آتا ہے، اگر کوئی معاملہ بالکل یقینی درجہ میں ہو تو اس پر امید کا اطلاق صحیح نہیں مثلاً اس کو امید کہنا صحیح نہیں کہ کہا جائے میں سورج کے نکلنے کی امید کرتا ہوں، لیکن یہ کہنا درست ہے کہ: مجھے بارش ملنے کی امید ہے۔

علماء ماہرین قلوب نے فرمایا ہے کہ: دنیا آخرت کی کھیتی اور دل زمین کے مانند اور ایمان کی مثال تخم جیسی ہے اور عبادات زمین کے تیار کرنے اور اسے صاف کرنے، نہروں کے کھودنے اور اس میں آبپاشی کے قائم مقام ہے۔

وہ دل جو دنیا کا دل دادہ اور اس کی محبت میں مستغرق اور ڈوبا ہوا ہو اس کی مثال اس گندی زمین کی مانند ہے جس میں تخم کی نشو نما اور ترقی نہ ہوتی ہو، قیامت کا دن تو ہر شخص کے کاٹنے کا دن ہوگا اور آدمی وہی کاٹ سکے گا جو کھیتی کرے رہا ہوگا۔ جس نے ایمان کی تخم ڈالی ہوگی وہی نشو نما پائے گی اور پھل پھول لائے گی۔ دل کی خرابی اور اس کے اخلاق کے فاسد ہونے کی صورت میں ایمان آدمی کو کم ہی فائدہ پہنچاتا ہے، بالکل جس طرح بیج خراب اور

فاسد زمین میں نشو نما پانے سے رک جاتی ہے، لہٰذا مغفرت چاہنے والے بندے کی امید کو کاشت کرنے والے کی امید پر قیاس کر لینا چاہیے پس جس نے عمدہ زمین طلب کی اور اس میں ایسی عمدہ بیج ڈالی جو ہر نوع کی خرابی اور بو وغیرہ سے پاک ہو، اور پھر جن چیزوں کی کھیتی کو ضرورت پڑتی ہے اسے فراہم و مہیا کرتا رہا، اور پھر کھیتی کو کانٹے اور گھاس اور ہر اس چیز سے جو تخم کی نشو و نما کو روکتا اور اسے خراب کرتا ہے ان چیزوں سے صاف کرتا رہا۔ پھر اس کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا انتظار کرتا رہا اور ناگہانی آفتوں اور اولوں و بوندیوں سے اسے دفع کرنے کے لئے اللہ سے دعا کرتا رہا یہاں تک کہ کھیتی پک کر تیار ہو گئی اور آخری مرحلہ میں پہنچ گئی تو ایسے بندے کے انتظار کو امید اور رجا کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر اس نے ان بیجوں کو ایک سخت ناہموار اور بلند زمین پر بکھیر دی ہو جہاں پر پانی بھی نہ پہنچتا ہو اور نہ ان کی وہ بالکل دیکھ بھال ہی کرتا رہا ہو پھر وہ اس کی کٹائی کے انتظار میں دن گننے لگا ہو تو ایسے آدمی کے انتظار کرنے کو احمق پن اور دھوکا تو کہا جا سکتا ہے لیکن امید کہنا صحیح نہیں۔

حاصل گفتگو یہ کہ امید و رجا ایسے محبوب کے انتظار پر صادق آتا ہے کہ انسان کے اختیار کے تحت جو بھی اسباب اور وسائل ہو سکتے ہیں ان تمام کیلئے راستہ ہموار ہو گیا ہو ہاں البتہ جو اسباب انسان کے اختیار کے ماتحت سے باہر ہوں وہی صرف باقی رہ گئے ہوں اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل و نوازش ہے۔ قطع راہ اور مفسدات امر کو دور اور ختم کرنے کے ساتھ۔ بندہ جب ایمان و یقین کی تخم اپنے اندر بو کر پھر عبادات و طاعات سے اسے آبیاری کرتا رہا۔ رذائل اور برے اخلاق کے کانٹوں سے اپنے قلب کو پاک و صاف کرتا رہا پھر اس کے بعد اسی پر موت تک ثابت قدم رہتے ہوئے اور اللہ کی مغفرت پر حسن خاتمہ ہونے تک اللہ تعالیٰ کے فضل کا انتظار کرتا رہا تو ایسے بندہ کے

انتظار کو حقیقی اور سچی امید کہا جاتا ہے، اللہ عزوجل نے فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ" (البقرة: ۲۱۸) بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں لڑے وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یعنی ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق اور اہل ہیں اور یہ بات واضح ہو کہ اس سے مراد وجود امید کی تخصیص نہیں ہے کیونکہ ان کے علاوہ لوگ بھی اللہ سے امید رکھتے ہیں لیکن انہیں مخصوص استحقاق امید سے کیا گیا ہے۔

جس آدمی کی امید ایسی ہو کہ اسکے لئے طاعت وعبادت کی طرف مشعل راہ ہو اور اسے معصیت وگناہ سے روکنے اور باز رکھنے والی ہو تو اس کی امید صحیح اور پر معنی ہے، لیکن جس کی امید اسے بیکاری اور معاصی کے اندر انہماک پیدا کرنے کا ذریعہ اور اس کی طرف دعوت دینے کا سامان ثابت ہو تو وہ غرور اور دھوکا ہے۔

اور یہ جاننا مناسب ہے کہ جو شخص جس چیز کی تمنا اور آرزو کرتا ہے اس کے اندر تین امور کا پایا جانا لازمی ہے۔

پہلا یہ کہ جس چیز کی تمنا کر رہا ہے اس سے عشق اور پیار ہو، دوسرے یہ کہ اس کے فوت ہو جانے کا خوف اور اندیشہ ہو، تیسرے یہ کہ جس چیز کی تمنا اور آرزو کر رہا ہے اس کے حصول کے لئے سرگرداں رہے۔

جہاں تک اس امید و آرزو کا تعلق ہے جس کے ساتھ ان میں کوئی چیز نہ ہو تو اس کا تعلق امانی سے ہے اور رجاء اور امانی میں فرق ہے۔

ہر رجائیت پسند شخص خوف واندیشہ کا شکار ہوتا ہے۔ جب کوئی مسافر اپنی منزلیں طے کر رہا ہوتا ہے اسے راستہ میں کوئی خوف محسوس کرتا ہے تو اپنے قدم اس خوف اور اندیشہ کی وجہ سے تیز کر دیتا ہے کہیں اس کو گزند نہ پہنچ جائے۔ جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ''جو شخص ڈرتا ہے، وہ شروع رات میں چلتا ہے اور جو شروع رات میں چل دیتا ہے وہ عافیت کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے یاد رکھو اللہ کا سودا سستا نہیں بہت مہنگا اور قیمتی ہے، یاد رکھو اللہ کا وہ سودا جنت ہے۔

امید کے متعلق آیات واحادیث

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (الزمر:۵۳)

کہہ دے اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں بیشک اللہ سب گناہ بخشتا ہے وہ گناہ معاف کرنے والا اور مہربان ہے''۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْمَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ'' (الرعد:٦)

اور اللہ تعالیٰ تیرا رب لوگوں کو معاف کرتا ہے باوجود ان کے ظلم کے''۔

احادیث: صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی مسلمان آدمی نہیں مرتا ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوزخ میں کسی یہودی یا کسی نصرانی کو داخل فرمادیتے ہیں''۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ''کچھ قیدی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، کیا دیکھا جاتا ہے کہ ان قیدیوں میں سے ایک عورت (ادھر ادھر) دوڑ رہی ہے۔ دفعتاً ایک بچہ کو پالیتی ہے اور اسے اپنے پیٹ سے چپکا کر دودھ پلانا

شروع کر دیتی ہے، آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: تم سمجھتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچہ کو آگ کے اندر ڈال دے گی۔ صحابہ نے عرض کیا: نہیں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندہ مومن پر اس عورت سے اپنے لڑکے سے بھی زیادہ رحم کرنے والا اور مہربان ہے"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ: "اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا کرنے سے پہلے یہ بات اپنے نفس کیلئے لکھ دی ہے کہ میری رحمت میرے غضب اور غصہ پر غالب رہے گی" (متفق علیہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"یاابن ادم انك مادعوتنی ورجوتنی غفرت لك علی مأکان منك و لاأبالي یا ابن ادم لوبلغت ذنوبك عنان السماء ثم استغفرتني غفرت لك یا ابن ادم لواتیتنی بقراب الأرض خطایا ثم لیقتنی لاتشرك بی شیئاً لأتیتك بقرابها مغفرةً". (ترمذی)

"اے انسان! بیشک تو جب تک مجھ سے دعا کرتا رہے گا اور مجھ سے امید لگائے رہے گا میں تجھ کو بخشوں گا تیرے گناہ جو بھی ہوں اور میں کچھ پرواہ نہیں کرتا ہوں اے انسان اگر تیرے گناہ آسمان کے بادلوں کو پہنچ جائیں پھر (بھی) تو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں تجھے بخش دوں گا اے انسان! اگر تو اتنے گناہ لے کر میرے پاس آوے جن سے ساری زمین بھر جائے۔ پھر مجھ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنایا ہو تو اتنی ہی بڑی مغفرت سے تجھ کو نوازوں گا جس سے زمین بھر جائے"۔

آثار سلف صالحین

حضرت یحییٰ بن معاذؒ نے فرمایا: ”میرے نزدیک سب سے بڑی خود فریبی اور دھوکہ یہ ہے کہ بغیر کسی شرم وحیا کے گناہوں پر معافی کی امید کرتے ہوئے ان پر ڈھیل اور اصرار کرنا، بغیر کسی طاعت و عبادت کے اللہ سے قرب کی توقع کرنا، آگ کی تخم بو کر جنت کی کھیتی کا انتظار کرنا، ارتکاب معاصی کر کے فرمانبرداروں کے گھر کو طلب کرنا، بغیر عمل کیے ہوئے اس کے جزاء واجر کا انتظار کرنا اور اللہ سے حد سے زیادہ تمنا و آرزو کرنا“۔

ترجو النجاۃ ولم تسلك مسالكها ان السفینۃ لاتجری علی الیبس

تم نجات کی امید رکھتے ہو حالانکہ نجات کے راستوں پر چلتے نہیں ہو بیشک کشتی خشکی پر نہیں چلا کرتی ہے۔

خوف الٰہی:

خوف وہ خداوندی کوڑا ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے بندوں کو علم وعمل کی طرف راہ دکھاتا ہے تاکہ علم اور عمل کی روشنی سے انہیں اپنے خدا کے قرب کی دولت میسر ہو سکے، اور خوف کی تعریف یہی ہے کہ مستقبل میں کسی ناخوشگوار واقعہ کے ہونے کی توقع سے قلب میں شدید بے چینی اور سوزش پیدا ہو جائے۔ خوف ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے ذریعہ انسان کے اعضاء وجوارح ارتکاب معاصی سے باز رہتے ہیں اور وہ اللہ کی عبادت وبندگی اور طاعت پر انہیں پابند کر دیتا ہے۔

حد سے کمزور اور ناقص خوف بندے کو غفلت اور ارتکاب گناہ پر آمادہ کرتا ہے اور

حد سے بڑھا ہوا خوف بندے کے اندر مایوسی اور قنوطیت پیدا کرتا ہے۔

بندے کے اندر کبھی خوف اللہ تعالیٰ اور اس کے عظیم صفات کی معرفت کی بنیاد پر پیدا ہوتا ہے۔ اللہ عزوجل کی شان عظیم یہ ہے کہ اگر وہ دونوں جہاں کو ہلاک اور تباہ و برباد کر دے تب بھی اسے اس کی قطعی پرواہ نہیں ہوگی اور نہ اس کو اس سے کوئی روک ہی سکتا ہے، اور کبھی بندے کے اندر صفت خوف اس کے کثرت ارتکاب معاصی کے احساس سے پیدا ہوتا ہے اور کبھی یہ خوف معرفت الٰہی اور کثرت گناہ دونوں کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور جس قدر بندے کو اپنے نفس کے عیوب کی معرفت، اللہ کے جلال و کبریائی کی معرفت، اس کے استغناء اور بے نیازی کی معرفت اور اس کی یہ معرفت کہ جو کچھ بھی وہ کرتا ہے اس سے کوئی باز پرس کرنے والا نہیں بلکہ وہ خود لوگوں کی باز پرس کرنے والا ہے جس قدر یہ معرفت بڑھے اور ترقی کرے گی اسی قدر خوف خداوندی اس کے اندر جلوہ گر ہوگا۔

حاصل گفتگو یہ کہ اپنے نفس اور اپنے رب کی معرفت جس کو سب سے زیادہ حاصل ہوگی وہ سب سے زیادہ خدا ترس بھی ہوگا، اسی وجہ سے نبی ﷺ نے فرمایا:

"واللہ إنّی لأعلمهم باللہ واشدهم له خشية". (متفق علیه) "خدا کی قسم مجھے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور علم لوگوں میں سب سے زیادہ حاصل ہے (اسی وجہ سے) خوف و خشیت بھی مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ حاصل ہے"۔

امام شعبیؒ کو ایک مرتبہ اے عالم کہہ کر پکارا گیا تو فرمایا: عالم تو وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو (بطور تواضع کے فرمایا) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا" (فاطر: ۲۸) "اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جن کو علم ہے"۔

اللہ عزوجل سے ڈرنے والا

خائف وہ نہیں ہے جو بلند آواز سے روئے اور اپنی آنکھوں سے آنسو پوچھے بلکہ سچا خائف اور ڈرنے والا وہ ہے جو عذاب الٰہی کے خوف واندیشہ سے گناہوں کے ارتکاب سے باز آجائے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ سے دریافت کیا گیا کہ کب آدمی کو سچا خائف کہنا صحیح ہے؟ فرمایا: "جب آدمی اپنے آپ کو اس مریض کی طرح قرار دے لے جو بیماری کے طول پکڑنے کے اندیشہ سے سخت پرہیز کرتا ہے"۔

حضرت ابوالقاسم حکیمؒ نے فرمایا: "جو کسی چیز سے ڈرتا ہے اس سے راہ فرار اختیار کرتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اللہ ہی کی طرف بھاگتا ہے"۔ حضرت فضیلؒ نے فرمایا: "جب تم سے یہ کہا جائے کہ کیا تم اللہ سے ڈرتے ہو تو خاموش رہو کیونکہ اگر تم نے یہ کہا کہ میں ڈرتا ہوں تو جھوٹ کہا" اور اگر کہا کہ نہیں تو کفر کیا"۔

اللہ کے صحیح خوف پیدا ہونے سے شہوتیں اور غلط جذبات جل کر خاکستر ہو جاتے ہیں اور انتہائی محبوب اور لذیذ ترین معاصی خائف کے نزدیک ایک ناگوار چیز بن جاتی ہیں، جیسے شہد ایک مرغوب غذا اس شخص کے نزدیک انتہائی مبغوض ہو جاتی ہے جب اسے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے اندر زہر ملا ہوا ہے، خوف الٰہی سے شہوتیں جل کر خاک ہو جاتی ہیں، اعضاء کے اندر شائستگی اور تہذیب پیدا ہو جاتی ہے اور قلب میں تواضع، تذلل اور مسکنت جیسے صفات پیدا ہو کر تکبر، کینہ اور حسد جیسے امراض اس سے زائل ہو جاتے ہیں، خوف کی وجہ سے ہمیشہ وہ مغموم اور اپنے انجام کی سنگینی کے متعلق سخت متفکر رہتا ہے اور اس کی سب سے اہم مشغولیت مراقبہ، محاسبہ اور مجاہدہ

جیسے اعمال رہتے ہیں۔ اس کے نزدیک وقت کی انتہائی قدر و قیمت ہو جاتی ہے اور دل میں ہر آنے والے خطرات، حرکات اور کلمات کا سخت مواخذہ کرتا ہے اس کا حال اس شخص کے حال کے مشابہ ہو جاتا ہے جو کسی درندہ جانور کے چنگل میں پھنس گیا ہو اور وہ یہ نہیں جانتا ہے کہ آیا وہ اس کی غفلت سے گلو خلاصی پائے گا اور یا اس پر وہ حملہ آور ہو کر اس کو ہلاک کر دے گا۔ لہٰذا وہ اپنے ظاہر اور باطن ہر اعتبار سے جس سے وہ ڈر رہا ہے اس میں وہ مشغول رہے گا اور اسے اس نازک موقع پر دوسروں کے متعلق سوچنے کی کوئی گنجائش نہیں ہو گی اور یہ اس شخص کا حال ہے جس پر خوف غالب ہو گیا ہو۔

اللہ تعالیٰ سے خوف کی فضیلت:

اللہ تعالیٰ نے ارباب خوف و خشیت کے واسطے ہدایت، رحمت، علم اور اپنی رضا وخوشنودی جمع فرما دیا ہے اور ان چاروں چیزوں کو قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے؛ چنانچہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

هُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ" (اعراف: ۱۵٤) ہدایت اور رحمت ان کے واسطے ہے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

"إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا" (فاطر: ۲۸) اللہ سے اس کے بندوں میں سے اہل علم ہی ڈرتے ہیں۔

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ (البينة: ۸) اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی یہ ملتا ہے اس کو جو اپنے رب سے ڈرا۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو خوف و ڈر کا حکم فرمایا اور اسے ایمان کیلئے شرط قرار دیا ہے؛

چنانچہ فرمایا ہے:

"وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" (آل عمران: ۱۷۵) اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔

لہٰذا مرد مومن کی زندگی خوف الٰہی کے تصور سے خالی نہیں ہو سکتی اگرچہ یہ تصور خوف بہت کمزور کیونکر نہ ہو اور جتنی اس کی زندگی میں معرفت اور ایمان کی کمزوری اور کمی ہوگی اتنی ہی اس کے خانہ دل میں خوف خداوندی کی کمزوری رہے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لايلج النار أحد بكى من خشية الله حتى يعود اللبن في الضرع (ترمذی) "جو اللہ تعالیٰ کے خوف و خشیت سے روتا ہو تو اس کا دوزخ میں داخل ہونا ایسا ہی ناممکن بات ہے جیسے دودھ کا تھن میں پھر واپس جانا ناممکن ہے"۔

حضرت فضیلؒ نے فرمایا: "جو اللہ عزوجل سے ڈرتا ہے تو اس کی وجہ سے اس پر ہر خیر و بھلائی کا راستہ واضح ہو جاتا ہے"۔

حضرت شبلیؒ نے فرمایا: میں جس دن بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرا ہوں تو اس دن مجھ پر حکمت و دانائی اور عبرت کی بات منکشف ہوئی۔

حضرت یحییٰ بن معاذؒ نے فرمایا: "مومن شخص جب گناہ کرتا ہے تو وہ دو جنتوں کا مشاہدہ کرتا ہے ایک سزا کے تصور سے خوف و خشیت کی جنت کا، اور ایک عفو و معافی کو خیال کر کے امید و رجا کی جنت کا"

خوف الٰہی کے متعلق آیات کریمہ واحادیث مبارکہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ "البتہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے اندیشہ

مُشۡفِقُوۡنَ، وَالَّذِيۡنَ هُمۡ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ يُؤۡمِنُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ بِرَبِّهِمۡ لَا يُشۡرِكُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ يُؤۡتُوۡنَ مَاۤ اٰتَوا وَّقُلُوۡبُهُمۡ وَجِلَةٌ اَنَّهُمۡ اِلٰى رَبِّهِمۡ رٰجِعُوۡنَ، اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوۡنَ فِى الۡخَيۡرٰتِ وَهُمۡ لَهَا سٰبِقُوۡنَ، (المومنون: ۵۷،۶۱)

رکھتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر یقین رکھتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتے اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل ڈر رہے ہیں اس لئے کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ جانا ہے یہی ہیں وہ جو جلدی جلدی بھلائیاں حاصل کر رہے ہیں اور یہی ہیں جو ان کی طرف دوڑ جانے والے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ:

"سالت رسول الله ﷺ عن هذه الآية فقلت: أهم الذين يشربون الخمر ويزنون ويسرقون؟ فقال لا يا ابنة الصديق، ولـكنهم الذين يصومون، ويصلون، ويتصدقون ويخافون ألا يتقبل منهم، اولئك يسارعون في الخيـرات". (ترمذی فی کتاب التفسیر)

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے میرے صدیق کی بیٹی، نہیں بلکہ وہ اللہ کے وہ خدا ترس بندے ہیں جو روزے رکھتے ہیں اور نمازیں پڑھتے اور صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور اس کے باوجود وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی یہ عبادتیں قبول نہ کی جائیں یہی لوگ بھلائیوں کی طرف تیزی سے دوڑتے ہیں"۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورہ الدھر تلاوت فرمائی، پھر آپ نے فرمایا: میں ان چیزوں کو دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے ہو اور ان باتوں کو سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے ہو آسمان چرچراتا ہے اور اسے چرچرانے کا حق بھی ہے، ہر چار انگلیوں کی جگہ کے بقدر ایک فرشتہ ہے جو اپنی پیشانی کو اللہ کیلئے سجدہ میں رکھے ہوئے ہے، خدا کی قسم اگر تم ان باتوں کو جان لو جنہیں میں جانتا ہوں تو تم ہنسو بہت کم اور روؤ بہت زیادہ اور تم کو اپنی بیبیوں سے بستروں پر لذت محسوس ہونا ختم ہو جائے اور صحراؤں کی طرف اللہ سے گریہ وزاری کرتے ہوئے نکل پڑو اور اس کی آرزو اور تمنا ہونے لگے کہ کاش میں ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا (بخاری)

مطلب حدیث بالا کا یہ کہ اگر تم ان باتوں کو جان لو جن باتوں کو میں جانتا ہوں یعنی اللہ عزوجل کی عظمت اور اس کا اپنے نافرمانوں سے انتقام لینا وغیرہ وغیرہ تو ان چیزوں سے تمہارا خوف جو تمہارا انتظار کر رہی ہے اور تمہارا گریہ وزاری اور رنج وغم بہت زیادہ ہو جائے اور تم لوگ ہنسنا بالکل ہی ترک کر دو،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ "جس وقت فضا متغیر ہو جاتی اور آندھی چلنے لگتی تو آنحضرت ﷺ کے چہرے کا رنگ) متغیر ہو جاتا اور سخت تحیر کے عالم میں کمرہ میں ٹہلتے (کبھی) اندر تشریف لے جاتے اور (کبھی) باہر آتے اور یہ سب کچھ خوف خداوندی کی بنا پر ہوتا تھا"۔ (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن شخیر کا بیان ہے کہ "رسول اللہ ﷺ جب نماز میں داخل ہوتے تو آپ کے سینہ سے دیگچی کے پکنے کی آواز سنائی دیتی" (نسائی، ابوداؤد)

جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد اس امت کے سلف صالحین کے

حالات کا مطالعہ کرے گا تو وہ ان کی زندگی کے حالات میں اعلیٰ درجہ کا عمل اور انتہاء درجہ کا خوف یکجا پائے گا، لیکن ہماری زندگی میں عمل اور خوف دونوں جانب تقصیرو کوتاہی بلکہ تفریط وامن ملے گا۔

یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جو فرماتے ہیں: کاش میں بندہ مومن کا ایک بال ہوتا، اور آپ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو خشیت الٰہی سے ایسے لگتے گویا کوئی لکڑی ہوں۔

اور یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں آپ نے سورہ طور کی تلاوت فرمائی جس وقت اس آیت کریمہ "ان عذاب ربک لواقع" پر پہنچے تو آپ پر گریہ وبکا طاری ہوتا ہے اور اس فرط گریہ سے ایسے بیمار ہوئے کہ لوگ آپ کی عیادت کرنے آتے ہیں، زندگی کے آخری لمحات میں آپ اپنے صاجزادہ سے فرماتے ہیں میرے رخسار کو زمین پر رکھدو شاید وہ ذات مجھ پر رحم فرمادے پھر فرمایا: میری ماں کی بربادی ہو اگر میری مغفرت نہ ہوسکی اس بات کو آپ نے تین بار فرمائی پھر انتقال فرماگئے۔ آپ رات میں اپنے وظیفہ کی آیت سے گزرتے اور اس سے ایسے خوف زدہ ہوجاتے کہ کئی کئی دن تک گھر سے باہر نہ نکلتے اور لوگ آپ کو مریض جان کر آپ کی عیادت کیلئے حاضر ہوتے، آپ کے چہرہ پر آپ کے انتہائی رونے کی وجہ سے دو سیاہ خط بن گئے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ شہریوں کو آباد و معمور کرایا، بڑی فتوحات ہوئیں اور عظیم امور انجام پائے، آپنے فرمایا: میری آرزو تو یہ ہے کہ مجھے نجات مل جائے نہ اجر وثواب ہو اور نہ گناہ۔

یہ حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ ہیں جس وقت آپ قبر پر کھڑے ہوتے ہیں (تو خوف کی بنا پر) روتے روتے آپ کی داڑھی مبارک تر ہوجاتی ہے، فرماتے ہیں

اگر میں جنت اور دوزخ کے درمیان رہوں اور مجھے یہ معلوم نہ ہو سکے کہ ان دونوں میں سے کس کے ساتھ میرا انجام ہوگا تو میں راکھ ہو جانا پسند کروں گا قبل اس کے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے انجام ہونے کی خبر مجھے معلوم ہو۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے "اگر تمہیں موت کے بعد کے ان حالات کا جن سے تمہیں دوچار ہونا ہے وہ معلوم ہو جائیں تو تم کو کھانے اور پینے کی چیزوں سے خواہش ورغبت ختم ہو جائے اور سایہ لینے کے لئے اپنے گھروں میں داخل ہونا چھوڑ دو بلکہ گھروں سے اپنے سینوں کو زدوکوب کرتے اور گریہ وزاری کرتے ہوئے باہر نکل پڑو اور یہ تمنا کرنے لگو کاش میں کوئی درخت ہوتا جو کاٹ کر کھالیا جاتا"۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نماز صبح سے سلام پھیرتے ہیں، اداسی وافسردگی ان کے چہرہ سے ظاہر ہوتی ہے، اپنے ہاتھوں کو الٹ پلٹ رہے ہیں، پھر اس کے بعد آپ فرماتے ہیں: میں اصحاب رسول اللہ ﷺ کو دیکھ چکا ہوں لیکن آج کوئی ایسی چیز مجھے نظر نہیں آتی ہے جو ان کے حالات کے مشابہ ہو، وہ غبار آلود زرد رنگ آنکھوں کے ساتھ صبح کرتے تھے اور ان کی راتیں قیام و سجود کی حالت میں تلاوت قرآن میں گزرتیں اور صبح کے وقت اللہ کے والہانہ ذکر سے ایسے جھومتے جیسے تیز و تند ہوا کے جھونکے سے درخت کی شاخیں ہلنے لگتی ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو نکلنے سے ان کے کپڑے تر ہو جاتے، لیکن آج ہم لوگ ان باتوں سے بالکل غافل ہو چکے ہیں پھر آپ مجلس سے اٹھ جاتے ہیں، اس کے بعد آپ کو ہنستا ہوا نہ دیکھا گیا یہاں تک بدنصیب ابن ملجم نے آپ کو شہید کر دیا۔

حضرت موسیٰ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ "جب ہم حضرت سفیان رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھتے تو ان کے غایت خوف اور بیقراری کو دیکھ کر ایسا محسوس

ہو تا گویا آگ نے ہمیں گھیر لیا ہے"۔

حضرت حسن بصریؒ کا کسی نے اس طرح وصف بیان کیا ہے کہ "جب آپ آتے دیکھائی دیتے تو گویا آپ اپنے کسی دوست کو دفن کر کے آرہے ہوں اور جب آپ بیٹھتے تو گویا کوئی قیدی ہوں جس کی گردن اڑا دینے کا حکم صادر ہو چکا ہو اور جب آپ کے سامنے دوزخ کا تذکرہ ہو تا تو گویا وہ صرف آپ ہی کیلئے پیدا کی گئی ہو"۔

روایت کیا گیا ہے کہ حضرت زرارہ بن ابی اوفی نے نماز فجر میں سورۃ مدثر تلاوت فرمائی اور جس وقت آپ نے اللہ تعالیٰ کی آیت "فاذا نقر في الناقور فذلك يومئذ يوم عسير" یعنی پھر جب صور پھونکا جائے گا تو ان کا یہ وقت ایک سخت دن ہو گا" پڑھی تو آپ سے چیخ نکل گئی اور انتقال فرما گئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا: تم لوگ رویا کرو اگر تم سے رونا نہ آئے تو بہ تکلف رویا کرو، خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی عالم آخرت کی باتوں کو جان لے تو اس کی چیخ نکل پڑے اور اس کی آواز بند ہو جائے، اور وہ نماز پڑھے تو اس کی پیٹھ کی ہڈی ٹوٹ جائے۔

دنیا کی حقیقت

یہ جان لینا چاہئے کہ کتاب اور سنت میں جو دنیا کی مذمت اور برائی مذکور ہوئی ہے اس سے مراد وہ رات دن کا زمانہ نہیں جو یکے بعد دیگرے تاقیامت گردش کرتے رہیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا بدل اس شخص کے واسطے بنایا ہے جو دھیان رکھنا چاہے یا شکر ادا کرنا چاہے۔

بعض آثار سلف صالحین میں سے ہے کہ: "یہ رات و دن عظیم خزینۂ قدرت خداوندی میں سے ہیں، ذرا تم غور تو کرو ان میں رہ کر تم کیا کرتے ہو" مفسر قرآن امام مجاہدؒ نے فرمایا: "ہر روز دن کہتا ہے اے ابن آدم: آج تو میں تم پر داخل ہوا ہوں لیکن میں آج کے بعد کبھی تم پر داخل نہیں ہو سکتا، ذرا غور کرو کہ تم میرے اندر کیا کرو گے، جب دن گزر جاتا ہے، اسے لپیٹ دیا جاتا ہے، اور اس پر ایسی سل مہر لگا دی جاتی ہے کہ کوئی توڑ نہیں سکتا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بروز قیامت اس کا فیصلہ فرمائے گا۔

ایک عربی شاعر نے کہا ہے:۔

انما الدنيا الى الجنة والنار طريق　　　والليالي متجر الانسان والأيام سوق

یہ دنیا جنت اور دوزخ کی طرف کا راستہ ہے اور یہ راتیں انسان کیلئے تجارت گاہیں اور دن بازار ہیں۔

یقیناً وقت ہی انسان کا اصل سرمایہ و پونجی ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ "جس نے ایک مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ پڑھا اس کیلئے جنت کے اندر ایک کھجور کا درخت تیار ہو گیا" اب وقت عزیز کے ضائع کرنے والوں کو غور کرنا چاہئے کہ وہ کتنے کھجور کے درخت سے محروم ہوتے رہتے ہیں۔

کسی سلف صالحین کی مجلس میں لوگ جس وقت بیٹھنے سے بوریت و اکتاہٹ محسوس کرنے لگتے فرماتے: "کیا تم لوگ کھڑے رہنا نہیں چاہتے" حالانکہ سورج پر مامور فرشتہ اس کے کھینچنے سے سست اور کمزور نہیں پڑتا"۔

ایک شخص نے کسی عالم سے کہا: "ذرا ٹھہریئے میں آپ سے بات کروں گا، فرمایا پہلے سورج کو روک دو" اور اس طرح قرآن اور حدیث سے جو دنیا کی مذمت و برائی

ثابت ہے اس سے مراد دنیا کی جگہ اور اس کی سر زمین نہیں، اور جو اس میں پہاڑ، سمندر، نہریں اور دھاتیں ودیعت کیے گئے ہیں وہ بھی مقصود نہیں کیونکہ یہ سب چیزیں اللہ کی طرف سے بندوں کے حق میں ایک عظیم نعمت ہیں اور ان میں ان کے لئے منافع، عبرت پزیری اور بنانے والے اللہ سبحانہ کی وحدانیت، اس کی قدرت اور اس کی عظمت کی استدلال کے اسباب میں سے ہیں ہاں البتہ دنیا کی مذمت و برائی سے مقصود بنی آدمی کے وہ اعمال اور افعال ہیں جو دنیا میں لوگوں کے ذریعہ سے انجام پاتے ہیں اور وہ ایسے طریقہ سے اکثر و بیشتر انجام دیئے جاتے ہیں جو نتیجہ کے اعتبار سے غیر محمود اور غیر مستحسن ہوتے ہیں اور لائق تعریف بھی نہیں ہوتے؟ جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

"اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا جان رکھو کہ دنیا کی زندگانی یہی کھیل اور تماشا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ اور بناؤ اور آپس میں فخر کرنا اور مال اور اولاد وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ، میں ایک کا دوسرے سے اپنے آپ کو زیادہ (الحدید: ۲۰) بتلانا ہے"۔

دنیا میں عموماً لوگوں کی دو قسمیں پائی جاتی ہیں ا۔ کچھ لوگ تو سرے سے دنیا کے بعد کی زندگی کے قائل نہیں ہیں، اور انہوں نے ثواب اور عقاب کو جس سے دنیا کے بعد آخرت کی زندگی میں ہر شخص کو دوچار ہونا ہے اس سے انکار کرتے ہیں انہی لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا بیشک جو لوگ ہمارے ملنے کی امید نہیں وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا رکھتے اور دنیا کی زندگی پر خوش ہوئے اور اسی بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ پر مطمئن ہوگئے اور جو لوگ ہماری نشانیوں

أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (یونس:۷۔۸) سے بے خبر ہیں ایسے لوگوں کا ٹھکانہ ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے۔

ایسے لوگوں کی زندگی کا نقطۂ نظر اور مقصد اصلی صرف دنیا سے لطف اندوز ہونا اور موت سے پہلے اس کی لذتوں سے فائدہ اٹھانے کو غنیمت سمجھنا ہوتا ہے، اللہ عزوجل نے فرمایا:

"وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (محمد:۱۲) اور جو لوگ کافر ہیں وہ (دنیا ہی کا) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور مثل چوپایوں کے کھا رہے ہیں ان کا اصل ٹھکانہ جہنم ہے۔

اور دوسری قسم وہ ہے جو موت کے بعد کی زندگی کا اعتراف اور وہاں کے ثواب اور عقاب کا اقرار کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کا انتساب و تعلق انبیاء اور رسولوں کی طرف ہوتا ہے، ایسے لوگوں کی تین قسمیں ہیں، ظالم لنفسہ یعنی اپنے اوپر ظلم کرنے والے: مقتصد یعنی میانہ رو لوگ، اور سابق بالخیرات باذن اللہ یعنی اللہ کے حکم سے نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والے۔

۱۔ ظالم لنفسہ: اپنے نفس پر ظلم کرنے والوں کی تعداد دنیا میں زیادہ ہے اور یہ لوگ دنیوی آرائش اور اس کی زینت میں مستغرق اور ڈوبے ہوئے ہیں، دنیا کو غیر شرعی و ناجائز طریقے سے حاصل کرتے ہیں اور ناجائز راستوں میں خرچ و صرف بھی کرتے ہیں اور دنیا ہی ان کی سب سے بڑی فکر و توجہ کی محور اور مرکز رہتی ہے، دنیا ہی کے لئے خوش ہوتے ہیں اور اسی کے لئے غصہ ہوتے ہیں، دنیا ہی کے لئے دوستی رکھتے ہیں اور اسی کے لئے دشمنی، اور انہی لوگوں کو قرآن نے اہل لہو و لعب اور زینت کے الفاظ سے یاد کیا ہے، آخرت کی زندگی پر ان لوگوں کا ایمان اجمالی حیثیت سے ہوتا ہے

نہ کہ تفصیلی طور سے، اور یہ لوگ دنیا میں آنے کا کیا مقصد اور غرض ہے اس سے بالکل نا آشنا ہوتے ہیں اور نہ اس بات کو جانتے ہیں کہ دنیا ایک ایسی منزل ہے جہاں اس کے بعد کی زندگی کیلئے توشہ تیاری کیا جاتا ہے۔

۲۔ مقتصد یعنی میانہ رو لوگ وہ ہوتے ہیں جو دنیا کو جائز اور صحیح طور و طریقہ سے حاصل کرتے ہیں اس کے واجبات کو ادا کرتے ہیں اور اپنے لئے واجب کی مقدار سے زیادہ روک لیتے ہیں اور دنیا کی لذتوں سے لطف اندوز ہونے میں وسعت و فراخی سے کام لیتے ہیں اور اس بات پر ان کی کوئی پکڑ اور سزا تو نہیں ہوگی ہاں البتہ ان کے درجات اور مراتب کم ضرور ہو جائیں گے۔ جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میری نیکیوں میں کمی واقع ہو جائے گی تو البتہ میں تمہاری آسودہ زندگی کے سلسلے میں تمہاری مخالفت کرتا لیکن میں نے اللہ تعالیٰ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس نے ایسی قوم کو عار دلاتے ہوئے کہا "اذهبتم طيباتكم في حياتكم الدنيا واستمتعتم بها" تم نے اپنی نیکیوں کو اپنی دنیاوی زندگی میں ہی ختم کر دیا اور اس سے فائدہ اٹھا چکے۔

۳۔ نیکیوں اور بھلائیوں کی طرف سبقت کرنے والے لوگ وہ ہیں جنہوں نے دنیا کے مقصد کو سمجھ لیا ہو اور اسی کے تقاضے سے عمل کرتے ہوں اور انہوں نے اس بات کو بہت اچھی طرح سمجھ لیا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دنیا میں اس لئے آباد و معمور کیا ہے تاکہ ان کا امتحان لیں کہ عمل کے اعتبار سے کون زیادہ اچھا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الكهف: ۷) "ہم نے جو کچھ زمین پر ہے اسے اس کی رونق بنایا ہے تاکہ لوگوں کو جانچیں ان میں کون اچھا کام کرنے والا ہے"۔

یعنی دنیا سے بہت کنارہ کش اور بے رغبت اور آخرت کے انتہائی راغب اور شوق رکھنے والے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا (الکهف: ۸) اور جو کچھ زمین پر ہے ہم اس کو بنجر میدان کردیں گے۔

نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والے دنیا سے اتنا لیتے ہیں جتنا ایک مسافر اپنا توشۂ سفر لے کر بے ضرورت چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"مالي وللدنيا، ماأنا في الدنيا الاكراكب استظل تحت شجرة، ثم راح وتركها" (ترمذی) "مجھے دنیا سے کیا سروکار، میری حیثیت تو دنیا میں محض اس سوار کی مانند ہے جس نے کسی درخت کے نیچے سایہ لیا ہو پھر اسے چھوڑ کر چل دیا ہو"۔

آنحضرت ﷺ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو وصیت فرماتے ہیں: "تم دنیا میں ایک مسافر یا راستہ پار کرنے والے آدمی کی طرح زندگی گزارو"۔

جس نے اپنی جائز خواہش والی چیزوں کے تناول سے یہ نیت کرلی ہو کہ اس کے ذریعہ وہ طاقت وقوت حاصل کرکے اللہ کی خوب عبادت کرے گا تو اس کی خواہش عبادت ہو جائے گی جس پر اس کو ثواب ملے گا۔ جیسا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ "انی لاَحتسب نومتی کما اَحتسب قومتی" میں اپنے سونے سے اجر وانعام کی امید کرتا ہوں جیسے میں نماز میں کھڑے ہونے سے اجر وثواب کی امید کرتا ہوں"۔

حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا: "جو تم کو آخرت کی طلب سے غافل کردے وہ غرور اور دھوکے کا سامان ہے، اور جو تم کو آخرت سے غافل نہ کرے وہ دھوکہ کا سامان نہیں البتہ اس سے بہتر کی طرف پہنچنے کا سامان ہے"۔

حضرت یحییٰ بن معاذؒ نے فرمایا: "مجھے دنیا سے محبت کیوں کر نہ ہو حالانکہ میرا آب ودانہ اس میں لکھ دیا گیا ہے اس کے ذریعہ میں زندگی حاصل کرتا ہوں، اسی کے ذریعہ عبادت کرتا ہوں اور اسی کے ذریعہ مجھے جنت حاصل ہو گی"۔

حضرت ابو صفوان رعینیؒ سے دریافت کیا گیا: "قرآن نے جس دنیا کو خراب بتلایا اور مذمت کی ہے اور ایک عقلمند آدمی کو اس سے پرہیز بھی کرنا چاہیئے وہ کونسی دنیا مراد ومقصود ہے؟ فرمایا: ہر وہ چیز جو دنیا میں حاصل کی جائے اگر اس کا مقصد وارادہ صرف دنیا ہو تو وہ قابل مذمت وبرائی ہے لیکن اگر اس سے آخرت کا ارادہ ہو تو وہ مذموم نہیں"۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا: "مومن کے لئے دنیا بہت ہی بہترین گھر ہے وہ اس طرح کہ مومن تھوڑا عمل کر کے آخرت کیلئے اس کو توشہ بنالیتا ہے، اور کافر اور منافق کے لئے دنیا بدترین گھر ہے کیونکہ وہ رات ودن کو برباد کر کے اس کو وہ اپنا توشۂ دوزخ بناتا ہے"۔

مسند اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے اپنی دنیا سے محبت کی اس نے اپنے آخرت کا نقصان کیا، اور جس نے اپنے آخرت سے محبت کیا اس نے اپنی دنیا کا نقصان کیا تو باقی رہنے والی چیز کو فنا اور ختم ہونے والی چیز پر ترجیح اور فوقیت دینا چاہیے"۔

حضرت عون بن عبداللہؒ نے فرمایا: دنیا اور آخرت دونوں دل میں ترازو کے دو پلڑوں کے مانند ہیں اگر ان میں سے ایک غالب کرو گے تو دوسرا مغلوب ہو جائے گا۔

حضرت وہبؒ نے فرمایا: "دنیا اور آخرت کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے پاس دو بیبیاں ہوں اگر ان میں سے ایک کو راضی اور خوش کرتا ہو تو دوسری کو ناراض اور ناخوش کر لیتا ہو گا، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اگر تم میرے لئے یہ

قسم کھاؤ کہ فلاں آدمی دنیا سے سب سے زیادہ بے رغبت ہے تو میں تمہارے لئے یہ قسم کھا سکتا ہوں کہ وہ تم میں سے سب سے عمدہ اور اچھا آدمی ہے"۔

ایک شخص نے تابعین سے کہا: "آپ لوگ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے عمل تو زیادہ کرتے ہیں لیکن بایں ہمہ وہ لوگ آپ سے بہتر اور افضل تھے؛ کیونکہ وہ دنیا سے انتہائی بے رغبت اور کنارہ کش تھے"۔

دنیا سے محبت رکھنے سے نقصان

امام احمد رحمہ اللہ علیہ نے حضرت سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: عیسیٰ بن مریم علیہ السلام فرماتے تھے: "ہر خطا اور غلطی کی جڑ دنیا کی محبت ہے"۔ اور اس میں مال کی محبت ایک بڑی بیماری ہے، لوگوں نے عرض کیا اس کی بیماری کیا ہے؟ فرمایا: وہ بڑائی اور فخر کے احساس سے بچ نہیں پائے گا، لوگوں نے عرض کیا اگر وہ اس سے نجات پا گیا؟؟ فرمایا: اس کی اصلاح و درستگی اس کو اللہ کے ذکر سے غافل کر دے گی"۔

دنیا کی محبت کی وجہ سے دوزخ لوگوں سے معمور اور آباد کی گئی ہے، اور اس سے بے رغبتی رکھنے والوں سے جنت آباد کی گئی ہے، دنیا کی محبت کا نشہ اور خمار شراب کی تیزی و تندی سے شدید ہوتا ہے، اس سے محبت رکھنے والے کو قبر کی تاریکی میں پہنچ کر ہی ہوش اور افاقہ ہوگا، حضرت یحیٰ بن معاذؒ نے فرمایا: "دنیا شیطان کی شراب ہے، اور جو دنیا کی شراب پی کر مدہوش اور مخمور ہو گیا تو اس کو مردوں کے لشکر ہی میں پہنچ کر ہوش اور افاقہ ہوگا اور وہ خسارہ اٹھانے والوں کے درمیان افسوس کرے گا، دنیا سے

محبت رکھنے کا سب سے کم درجہ کا نقصان یہ ہے کہ وہ بندے کو اللہ کی محبت اور اس کے ذکر سے غافل کر دیتی ہے، اور جس کے مال نے اس کو غافل بنا دیا تو وہ یقیناً گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہو گیا، اور جو دل اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے تو اس دل میں شیطان سکون پذیر ہو جاتا ہے؛ اور جہاں چاہتا ہے اس کو گھماتا رہتا ہے"۔ اور برائی میں جس شخص کو شیطان نے یہ بات سمجھا دیا کہ وہ اپنے بعض اعمال خیر کے ذریعہ اپنے رب کو راضی کر رہا ہے تو البتہ وہ شخص یہی خیال کرے گا کہ وہ اچھا کام کر رہا ہے۔ (حالانکہ وہ شر کا ارتکاب کر رہا ہے)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "ہر شخص مہمان اور اس کا مال ادھار ہو کر صبح کرتا ہے، مہمان تو رخت سفر باندھ لیتا ہے اور ادھار چیز واپس کر دی جاتی ہے"۔

سلف صالحین نے فرمایا ہے کہ: دنیا کی محبت تمام خطاؤں اور غلطیوں کی اصل وجڑ اور دین کو فاسد اور خراب کرنے والی کئی وجوہات ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:-

ایک وجہ یہ کہ دنیا کی محبت بندے سے اپنی تعظیم وتوقیر کی متقاضی ہوتی ہے اور دنیا اللہ کے نزدیک انتہائی حقیر اور بے قدر چیز ہے اور سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ اس چیز کی تعظیم کی جائے جسے اللہ نے حقیر اور بیقدر بتلایا ہو۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو ملعون، مبغوض اور انتہائی مکروہ قرار دیا ہے لیکن ان چیزوں کے علاوہ جو اللہ نے اس میں پیدا فرمائی ہیں، اور ظاہر بات ہے کہ اللہ کے نزدیک جو چیز انتہائی درجہ کی ناپسندیدہ اور بیحد مبغوض ومکروہ ہو اس سے محبت اور لو لگائی جائے تو اس کا قوی امکان ہے کہ کسی آزمائش کی زد میں آجائے اور اللہ عزوجل کے غیض وغضب اور اس کی ناگواری سے دوچار ہو جانا پڑے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ کسی نے جب دنیا سے محبت کیا اور اس سے لو لگائی تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس نے دنیا کو غایت و مقصد قرار دے دیا اور اس نے دنیا کو ان اعمال کے ذریعہ طلب کیا جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے اور دار آخرت کیلئے وسائل اور ذرائع میں سے بنایا ہے پس اس طور سے معاملہ بالکل برعکس ہو گیا اور حکمت الٹی ہو گئی، یہاں پر توجہ کے قابل دو باتیں ہیں ایک یہ کہ وسیلہ کو غایت اور مقصد کا درجہ قرار دے دیا جائے، اور دوسری بات یہ کہ بندہ اپنے آخرت کے اعمال سے دنیا حاصل کرنے کا وسیلہ اختیار کرے تو یہ خاص طور سے بہت گھٹیا اور خراب بات ہے اور عقل و حکمت کے لحاظ سے بھی بدترین طریقہ ہے۔ اور اسی پر حذو القذة بالقذة (تیر کے پر کے آپس میں برابر ہونے کی طرح) صادق آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (هود: ١٥-١٦)	”جو کوئی دنیا کی زندگانی اور اس کی زینت چاہے ہم ان کو ان کے عمل دنیا میں بھگتا دیں گے اور ان کو اس میں کچھ نقصان نہیں ہوگا، یہی ہیں جن کے واسطے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں اور جو کچھ یہاں کیا تھا برباد ہوا اور جو کمایا تھا خراب گیا“۔

دنیا کی محبت کی مذمت و برائی کے بارے میں کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں جیسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت ہے کہ ”تین آدمیوں کے لئے سب سے پہلے جو آگ خوب بھڑکائی اور شعلہ زن کی جائے گی وہ غازی اور صدقہ وزکاۃ کرنے والے اور پڑھنے

والے ہوں گے جن کا قصد وارادہ ان چیزوں سے دنیا حاصل کرنا اور کمانا رہا ہو گا‘‘۔

دنیا سے محبت دلگاؤ رکھنے والوں کو خوب غور سے کام لینا چاہئے کہ ایسے اعمال کرنے والے لوگ بھی اپنے اجر وثواب سے محروم ہو جائیں گے ان کے عمل ضائع ہو جائیں گے اور دوزخ میں سب سے پہلے داخل ہونے والے ہوں گے۔

چوتھی وجہ یہ کہ دنیا کی محبت بندے کو آخرت میں فائدہ پہنچانے والے اعمال کے درمیان حائل ہو جاتی ہے اور لوگ محبوب کے عشق ومحبت میں پھنس کر آخرت کے اعمال سے مشغول ہو جاتے ہیں، اس اعتبار سے لوگوں کے اندر فرق مراتب پایا جاتا ہے ان میں بعض تو ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے محبوب کے عشق ومحبت کے شکار ہو کر دین وشریعت سے دور ہو جاتے ہیں، اور بعضوں سے واجبات ترک ہوتے ہیں، اور کسی سے واجب اور حُبِ دنیا کے تصادم وٹکراؤ کی صورت میں اس واجب سے وہ مشغول ہو جاتے ہیں اور کوئی ایسا ہوتا ہے کہ کسی واجب کو اس کے صحیح اور افضل وقت پر ادا نہیں کرتا ہے اس طور سے اس کے وقت اور حقوق میں اس سے تقصیر وکوتاہی لامحالہ ہو جاتی ہے، اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ کسی واجب کے کرتے وقت دنیا ان کے دل کی عبودیت اور اللہ تعالیٰ کے استحضار سے مصروف کر دیتی ہے، لہٰذا اس عبادت کو وہ ظاہری طور پر ادا کرتے ہیں اور باطنی لحاظ سے عبادت سرے سے خالی وعاری ہوتی ہے یہ دنیا کے عاشقوں اور اس سے محبت کرنے والوں سے کہاں ہو سکتی ہے، محبت دنیا کے نقصان کا سب سے معمولی درجہ یہ ہے کہ بندے کو اس کی سعادت حقیقی یعنی اس کے دل کو اللہ کی محبت اور اس کی زبان کو اس کی یاد اور اس کے دل کو اس کی زبان کے ہم آہنگ ہونے اور اس کی زبان اور دل کو اس کے پروردگار کے ساتھ مشغول ہونے سے مصروف

اور پھیر دیتی ہے، لہٰذا دنیا کی محبت اور اس شے سے عشق بندے کو آخرت میں بالضرور نقصان پہنچاتی ہے بالکل جس طرح آخرت کی محبت دنیا کو نقصان وضرر پہنچاتی ہے۔

پانچویں وجہ یہ کہ دنیا کی محبت بندے کی ایک عظیم فکر اور اس کے توجہ کا مرکز بن جاتی ہے، امام ترمذی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس کی فکر کا محور آخرت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں غنی ومالداری پیدا فرمادیتے ہیں، اس کے شیرازہ کو یکجا فرمادیتے ہیں اور اس کے پاس دنیاناک رگڑ کر حاضر ہوتی ہے، لیکن جس کا مرکز فکر دنیا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے فقر وضرورت کو اس کی آنکھوں کے سامنے کردیتے ہیں، اس کے شیرازہ کو بکھیر دیتے ہیں اور دنیا اس کو اتنی ہی ملتی ہے جس قدر اس کے لئے مقدر ہے“۔

چھٹی وجہ یہ کہ دنیا سے محبت اور عشق کرنے والے کو سب سے زیادہ عذاب میں رکھا جاتا ہے اس لئے کہ وہ تین مرتبہ اپنے دور میں عذاب سے گزرتے ہیں ایک یہ کہ انہیں دنیا حاصل کرنے کیلئے بہت کوشش وکاوش کرنی پڑتی ہے اور اس کے لئے انتہائی پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، دوسرے یہ کہ انہیں دنیا کے بازار میں لوگوں کے ساتھ لڑائی وجھگڑے کے دور سے گزرنا پڑتا ہے، اور آخرت میں دنیا کی نعمتوں کے چھوٹ جانے سے غایت درجہ افسوس وملال اور حسرت ہوگی، اور اس کے اور اس کے محبوب کے درمیان ایسی مفارقت وجدائی کردی جائے گی کہ پھر اس سے ملاقات واجتماع کی کوئی امید کی کرن باقی نہ رہے گی اور نہ اس کے بدلے میں اسے کوئی محبوب دستیاب ہوسکے گا۔ ایسے شخص کو عذاب قبر بھی سب سے زیادہ اور دردناک ہوگا، اس کی روح کو جس قدر رنج وغم اور فکر وحسرت سے تکلیف لاحق ہوگی اس قدر اس کے جسم کی تکلیف زمین کے کیڑوں اور بچھوؤں کے ڈسنے اور کاٹنے سے نہ ہوگی۔

حاصل گفتگو یہ کہ دنیا سے محبت رکھنے والے کو عذاب قبر بھی ہوگا، اور اپنے پروردگار سے ملاقات کے دن بھی سخت ترین عذاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَآ أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَٰفِرُونَ (التوبہ: ۵۵)

"سو ان کے مال اور اولاد سے تعجب نہ کر اللہ ان کو ان چیزوں کی وجہ سے دنیا کی زندگی میں عذاب میں رکھنا چاہتا ہے اور ان کی جان اس حالت میں نکلے کہ وہ کافر ہیں"۔

بعض سلف صالحین فرماتے تھے کہ: اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دنیا جمع کرنے کی وجہ سے دے گا اور ان کی جان دنیا کی محبت کے ساتھ نکلے گی کیونکہ وہ اس میں اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے سے انکار کرتے تھے۔

ساتویں وجہ یہ کہ دنیا سے محبت اور عشق رکھنے والا اگر دنیا کو آخرت پر ترجیح اور فوقیت دیتا ہے تو وہ بے وقوف ترین اور احمق ترین انسان ہے کیونکہ اس نے خیال کو حقیقت پر، نیند کو بیداری پر، مٹ جانے والے سایہ کو جنت پر اور فانی گھر کو ایک ہمیشہ رہنے والے گھر پر ترجیح اور فوقیت دی اور ایک سدابہار اور پر بہار زندگی کو ایسی زندگی کے عوض بیچ دیا جو لوگوں کو خوابوں یا مٹ جانے والے ایک سایہ کی مانند ہے، لہٰذا کسی عقلمند آدمی کیلئے یہ زیب نہیں دیتا کہ ایسی چیزوں سے دھوکا کھا جائے۔ اور بعض سلف صالحین اس شعر کو پڑھتے تھے۔

یا أهل لذات دنیا لابقاء لها ... ان اغترارا بظل زائل حمق

اے دنیا سے لذت لینے والو (معلوم ہو کہ اس کے لئے بقاودوام نہیں) کسی جانے والے سایہ سے دھوکا کھانا بڑی بے وقوفی کی بات ہے۔

حضرت یونس بن عبدالاعلی نے فرمایا: "میں دنیا کی مثال ایسے شخص سے دیتا ہوں کہ وہ اپنے عالم نیند میں ایسی چیزوں کو دیکھ رہا ہے جو اسے ناگوار بھی گزر رہی ہوں اور

پسند بھی ہوں پس اسی اثنا اسکی نیند کھل جاتی ہو"۔

دنیا سایہ سے مشابہت میں بہت قریب تر ہے تم کیونکر سایہ کو ایک پائیدار وثابت حقیقت سمجھتے ہو حالانکہ وہ برابر سکڑتا اور کم ہوتا رہتا ہے، تم اگر اس کے پیچھے پکڑنے کیلئے چلتے ہو تو وہ پکڑا نہیں جاتا ہے، اور دنیا کی مشابہت اس ریت سے ہے جسے ایک پیاسا آدمی پانی سمجھ کر اس کے قریب پہنچتا ہے تو وہاں کچھ نہیں پاتا ہے اور اللہ کو پاتا ہے تو اللہ اس کا حساب پورا کر دیتا ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ اور دنیا کی مشابہت ایک ایسی بوڑھی، بدشکل اور اپنے شوہر سے بے وفا عورت سے ہے جو اپنی منگنی کیلئے بناؤ سنگھار کرتی ہے اور میک اپ کے ذریعہ اپنے چہرہ کے عیبوں کو چھپا دیتی ہے، اس کی ظاہری شکل کو دیکھ کر ایک شخص دھوکا کھاتا ہے، اور اس سے نکاح کرنے کی درخواست کرتا ہے عورت کہتی ہے کہ میرا مہر تو صرف آخرت سے فقدان ہے کیونکہ ہم دونوں آپس میں سوکنیں ہیں، اور ہم لوگوں کا باہم ملنا حرام اور جائز نہیں ہے لیکن منگنی کا پیغام دینے والوں نے اسی عورت کو ترجیح دے کر نکاح کر لیا، اور ان لوگوں نے کہا کہ اس شخص پر گناہ وجرم نہیں ہے جو اپنے حبیب اور یار سے وصل کرتا ہو، مگر اس نے جس وقت اس کے چہرے سے نقاب کو اٹھایا اور اس کے کپڑے کو اتارا پس اس نے ایک مصیبت اور آفت کا مشاہدہ کیا، بعضوں نے تو اسی وقت طلاق دے کر راحت حاصل کر لیا، اور بعضوں نے مقام کی نزاکت سے اسے اختیار کر لیا اور اس کی شب زفاف شور ہنگامہ کے ساتھ گزری۔

بخدا دنیا کے مؤذن نے برسر عام اذان دی، لیکن فلاح کیلئے نہیں بلایا، تو دنیا کے طلبگار اور اس کے پجاری دوڑ پڑے اور صبح و شام مسلسل اس کی طلب میں رہے تو رات کے چلنے والوں نے صبح کو اس کی کوئی تعریف نہیں کی۔ دنیا کے شکار میں جو لوگ اڑے ان میں سے جتنے لوگ واپس ہوئے سب کے بازو شکستہ تھے اور وہ دنیا کے جال میں پھنس گئے اور دنیا نے سب کو ذبح کیلئے تیار کر دیا۔

توبہ کی اہمیت و فضیلت:

عیبوں کی بہت پوشیدہ رکھنے والے اور غیب کی چیزوں کے بہت جاننے والے کی طرف رجوع ہو کر اپنے گناہوں سے توبہ کرنا سالکین کے طریق کی بنیاد، کامیاب ہونیوالوں کے مال کا اصل سرمایہ مریدین کے ترقی کا آغاز، متوجہ و انابت ہونے والوں کے استقامت کی کنجی اور مقربین باصفا کا مطلع و آغاز ہے۔

توبہ منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل، بیچ کی منزل اور سب سے آخری منزل ہے، بندہ مومن کو توبہ سے کبھی چھٹکارہ حاصل نہیں حتی کہ موت تک اس سے وابستگی رہتی ہے، اگر بندہ ایک منزل سے دوسری منزل سفر کرتا ہے تو توبہ بھی اس کے رفیق سفر ہوتی ہے اور اس کے ساتھ قیام کرتی ہے، پس توبہ بندہ مومن کیلئے آغاز بھی ہے اور انتہا بھی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وَتُوبُوا إِلَى اللهِ جَمِيعاً أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ" (النور: ۳۱) "اے ایمان والو! اللہ کے آگے سب مل کر توبہ کرو تاکہ تم نجات پاؤ"۔

معلوم ہو کہ یہ آیت شریفہ مدینہ منورہ کی سورتوں میں سے ہے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے اپنی مخلوق میں سے سب سے افضل و بہتر مخلوق کو مخاطب فرمایا ہے کہ اپنے ایمان، اپنے صبر، اپنی ہجرت اور اپنے جہاد وغیرہ کے بعد بھی اللہ تعالیٰ سے توبہ کریں؛ اور تمام مومنین کی کامیابی و فلاح کو توبہ پر موقوف و منحصر فرمایا ہے، "کلمہ لعل" یعنی "تاکہ" لاکر وضاحت فرمادی گئی کہ جب تم لوگ فائز المرامی کی امید پر توبہ کرو گے۔ لہٰذا فلاح کی امید صرف تائب لوگ ہی کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں بھی

تائبین میں سے بنادیں، آمین، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (الحجرات: ۱۱) ”اور جو کوئی توبہ نہ کرے تو وہی ظالم لوگ ہیں“۔

لوگوں کی دو قسمیں ہیں، ایک تائب، دوسری ظالم اور تیسری کوئی قسم ونوع نہیں، قرآن نے غیر تائب کو ظالم کے نام سے یاد کیا ہے، کیونکہ جو اپنے رب اور اس کے حقوق اور اپنے نفس کے عیوب اور اپنے آفات اعمال سے ناواقف رہے تو اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے، صحیحین میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

”یاأیها الناس توبوا إلى الله فوالله انی لأتوب الیه فی الیوم اکثر من سبعین مرة“ ”اے لوگو! اللہ سے توبہ کرو خدا کی قسم میں دن میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ اللہ سے توبہ کرتا ہوں“۔

توبہ بندے کا اللہ کی طرف رجوع کرنا اور مغضوب اور ضالین (یعنی جن پر اللہ کا غضب ہوا ہے اور گمراہ ہیں) کے راستہ کو چھوڑنا ہے۔

توبہ کے تین شرائط ہیں۔ ا۔ پہلے گناہ پر شرمساری ہو، ۲۔ حال میں گناہ چھوڑ دے، ۳۔ اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ ہو، اور یہ توبہ اس وقت ہے جب اللہ تعالیٰ کے حق میں گناہ سرزد ہوا ہو۔

توبہ کی پہلی شرط ندامت وشرمساری کا ہونا ہے کیونکہ اس کے بغیر توبہ کا وجود ممکن نہیں، اگر ندامت وپشیمانی نہیں ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس گناہ پر اسے رضامندی اور خوشی ہے اور اصرار ہے، مسند میں ہے کہ ”الندم توبة“ یعنی ”ندامت وشرمساری توبہ ہے“۔ باقی رہا گناہ کو چھوڑ دینا تو وہ اس لئے کہ گناہ کے ساتھ توبہ ہو

ہی نہیں سکتی، یعنی دونوں میں منافات ہے۔

توبہ کی تیسری اور آخری شرط یہ کہ آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم وارادہ ہو، درحقیقت بنیادی طور پر پختہ ارادہ اور سچائی پر توبہ کا دارومدار ہے، بعض علماء نے توبہ کے شرائط میں سے گناہ کو دوبارہ نہ کرنے کو بھی لگائی ہے، فرمایا کہ جب اس نے دوبارہ گناہ کا ارتکاب کیا تو ہم پر یہ بات واضح ہوگئی کہ اس کی توبہ باطل تھی، لیکن اکثر علماء اس شرط کے قائل نہیں، اگر گناہ کا تعلق کسی انسان کے حق کے ساتھ وابستہ ہو تو اس تائب (توبہ کرنے والے) پر ضروری ہے کہ اس فساد کی اصلاح کرلے یا جس کے حق میں اس سے غلطی اور زیادتی ہوئی ہے اس کو راضی اور خوش کرلے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنے کسی مسلمان بھائی پر ظلم وزیادتی کی ہو چاہے وہ ظلم مال کے سلسلہ سے ہو یا عزت کے سلسلہ کی تو اس کو چاہئے کہ آج اسے معاف کروالے قبل اس کے کہ اس کے پاس نہ دینار ہوگا اور نہ درہم سوائے اچھائیوں اور برائیوں کے۔

معلوم ہو کہ بندے کا گناہ دو حق کو شامل ہوتا ہے، ایک حق اللہ سے متعلق ہوتا ہے، دوسرا حق انسان سے، جو حق انسان سے متعلق ہوتا ہے اس سے توبہ کی صورت یہ کہ وہ اپنے حق کو معاف کردے، اور اللہ تعالیٰ کے حق سے توبہ کی صورت یہ کہ آدمی اور اللہ کے درمیان ندامت وپشیمانی کی کیفیت پیدا ہو جائے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس کے لئے صرف احساس ندامت وپشیمانی کی کیفیت پیدا ہو جائے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس کے لئے صرف احساس ندامت کافی ہے، لیکن بندے کا حق صرف اس کے معاف کرنے ہی سے ختم ہو سکتا ہے۔

اس جگہ ہم اللہ کی مدد اور توفیق سے توبہ کے بعض خاص احکام بیان کریں گے جو

مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ جس وقت ظلم وزیادتی کسی آدمی پر غیبت یا تہمت لگا کر اس کو مجروح کیا گیا ہو تو کیا اس صورت میں اسے اس کی اطلاع دینا ضروری ہے؟

امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے مذہب کے اعتبار سے اس کو اطلاع کرنا ضروری ہے، ان کی دلیل حدیث سابق ہے وہ یہ کہ اگر کسی نے اپنے بھائی پر اس کے مال اور اس کی عزت کے سلسلہ میں ظلم کیا ہو تو اس سے بری الذمہ ہونے کیلئے صاحب حق کا معاف کرنا ضروری ہے، دوسرے حضرات کے نزدیک اس کو اطلاع دینا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف توبہ جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہو کافی ہے، ہاں البتہ جس کی غیبت کی ہے، یا جس پر تہمت لگائی ہے ان ہی جگہوں میں اس کے اچھے اور عمدہ اخلاق اور اوصاف کو بیان کرے، اور اس کیلئے استغفار بھی کرے، اور یہ مذہب امام ابن تیمیہؒ کا اختیار کردہ ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اطلاع کرنے کی صورت میں فتنہ اور فساد پیدا ہو سکتا ہے اور اس میں کوئی مصلحت بھی نظر نہیں آتی، تو ایسی چیزوں کی دین اسلام قطعی اجازت نہیں دیتا چہ جائیکہ ان کا حکم دے یا واجب وضروری قرار دے۔

۲۔ اس شخص کے توبہ کا حال جس نے کسی کے مال کو غصب کر لیا ہو تو اس مال کا لوٹانا ان لوگوں پر ضروری ہے، لیکن اگر اس مال کا ان پر واپس کرنا دشوار اور ناممکن ہو گیا ہو، ان کے علم نہ ہونے، یا ان کے مرجانے یا کسی اور اسباب کی بنا پر تو اس صورت میں ان کی طرف سے یہ مال صدقہ کردے گا، جب حقوق پورا لینے کا دن (یعنی قیامت کا دن) آئے گا تو ان لوگوں کو اختیار ہوگا چاہے اس کے فعل وصدقہ کو جائز قرار دیں اور چاہے نہ دیں، اور اپنے احوال کے بقدر اس شخص کی اچھائیوں کو لے لیں،

اور اس صدقہ کا ثواب اس شخص کے لئے ہو جائے جس نے دنیا میں صدقہ کیا تھا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس صدقہ کے ثواب کو اپنی شان کریمی سے ضائع نہیں فرمائے گا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: انہوں نے ایک شخص سے ایک باندی خریدی اور اس کیلئے قیمت کا حساب کرتے ہوئے اندر تشریف لے گئے اتنے میں وہ شخص چلا گیا، آپ نے اس کا انتظار کیا، یہاں تک کہ آپ اس کی واپسی سے ناامید ہو گئے تو (پھر) اسی باندی کی قیمت کے بھر صدقہ کر دیا اور فرمایا: اے اللہ یہ باندی کے مالک کی طرف سے ہے، اگر وہ اس سے راضی ہو گیا تو اجر و ثواب اسی کے لئے ہو جائے، لیکن اگر وہ اس سے رضامند نہ ہو اور انکار کر دے تو اس کا ثواب میرے لئے ہو، اور اسی کے بقدر میری اچھائیوں میں سے اس کے لئے ہو جائے۔

۳۔ رہی توبہ اس کی جس نے اپنے غیر کو حرام معاوضہ و بدلہ دے کر عوض پر قبضہ کر لیا ہو جیسے شراب کی بیع و فروخت کرنے والا، گانے والا اور جھوٹی قسم کھانے والا، لیکن پھر اس نے ان چیزوں سے توبہ کر لی ہو اور عوض اس کے قبضہ میں موجود ہو تو علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ اس کو اس کے مالک کو واپس کر دے گا کیونکہ اس کا وہ نقد مال ہے اور شارع کی اجازت سے اس پر قبضہ نہیں کیا تھا اور نہ اس کے مالک کو اس کے مقابلہ میں کوئی جائز نفع ہی حاصل ہوا ہے، اور علماء کی دوسری جماعت کہتی ہے بلکہ اس کے توبہ کی صورت یہ ہے کہ اس کو وہ صدقہ کر دے گا، کیونکہ وہ کس طرح ایسے مال کو اس کی ادائیگی کرنے والے کو واپس کرے گا جس کے ذریعہ اللہ کی معاصی پر مدد حاصل کی ہے۔ اور یہی قول زیادہ درست ہے، اور اسی طرح اس کی توبہ جس کا مال حلال اور حرام کے ساتھ گڈمڈ ہو گیا ہو اور اس کے لئے اس کی تمیز اور فرق بھی دشوار ہو گیا ہو تو یہ ہے کہ حرام کے بقدر

صدقہ کردے اور اپنے باقی مال کو طاہر اور پاکیزہ بنالے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ:- جب آدمی گناہ سے توبہ کر لے تو کیا وہ اپنے اس درجہ پر جو کہ گناہ کرنے سے پہلے تھا اور گناہ کے بدولت جو تنزل اور انحطاط آگیا ہے واپس ہو سکتا ہے یا نہیں؟

ایک جماعت کہتی ہے توبہ کرنے والا اپنے سابق درجہ کو لوٹ سکتا ہے کیونکہ توبہ گناہ کو بالکل ختم اور کاٹ دیتی ہے اور اس کو ایسا بنادیتی ہے گویا اس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا تھا۔

دوسری جماعت کہتی ہے کہ: اپنے پہلے مقام اور حال تک نہیں لوٹ سکتا ہے، کیونکہ اس کے اندر ٹھیراؤ نہیں آیا تھا بلکہ اتار آگیا تھا اور یہ انحطاط اور کمی گناہ کی وجہ سے پیدا ہوئی اور جب اس نے توبہ کی تو اس کے اس مقدار میں نقص و کمی آگئی جس میں اس کے لئے ممکن تھا کہ ترقی کی تیاری کرتا اور آگے بڑھتا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ سچ ہے کہ بعض توبہ کرنے والے اپنے پہلے درجہ کو واپس نہیں لوٹتے ہیں، لیکن بعض تو اس سے بھی اعلیٰ اور افضل رتبہ کو پہنچ جاتے ہیں اور گناہ کے پہلے حالت سے بھی حالت اچھی ہو جاتی ہے، چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے توبہ کے بعد کی حالت ان کی خطا ہونے سے پہلے کی حالت سے بہت بہتر اور اچھی ہو گئی تھی۔ یہاں ایک مثل ذکر کیا جاتا ہے۔

ایک مسافر اطمینان سے اور امن وچین سے راستے پر چل رہا ہے، وہ کبھی دوڑتا ہے کبھی چلتا ہے، کبھی آرام کرتا ہے کبھی سوتا ہے، وہ ایسے ہی چلا جارہا تھا کہ اسے راستے میں سایہ دار جگہ ملی، جہاں ٹھنڈا پانی بھی تھا، اور قیلولے کی جگہ بھی، اور نہایت سرسبز وشاداب باغ بھی تھا، اس کے نفس نے اسے وہاں ٹھہرنے کیلئے اکسایا، تو وہ وہاں اتر پڑا، اچانک ایک دشمن اس پر ٹوٹ پڑا، اسے پکڑ لیا اور قید کر دیا، اور آگے چلنے سے روک دیا۔

تب اس مسافر نے اپنی ہلاکت آنکھوں سے دیکھ لی اور اسے یقین ہو گیا اب یہاں سے اسکا سفر ختم ہو چکا ہے۔ اور اب وہ درندوں اور وحشی جانوروں کی خوراک بننے والا ہے، اور اب اس کے اور اس کے مقصد سفر کے درمیان یہ مصیبت حائل ہو چکی ہے۔

ابھی وہ انہیں خیالات میں سرگرداں تھا کہ اچانک اس کے پاس اس کے والد محترم آکر کھڑے ہو گئے جو مہربان بھی تھے اور اس کے خطرات دور کرنے کی طاقت بھی رکھتے تھے، اور انہوں نے اس کی رسیاں اور بیڑیاں کھولدیں اور کہا چل پڑو، اور اس دشمن سے ڈرتے رہنا، کیونکہ یہ تمہاری تمام منزلوں میں تمہارا گھات لگا کر انتظار کر رہا ہے۔ اور تم یہ سمجھ لو کہ جب تک اس سے ڈرتے رہو گے اور اس کی طرف سے چوکنا رہو گے وہ تم پر قابو نہیں پاسکتا، اور میں تمہارے آگے چل رہا ہوں اور راستے میں تمہارا انتظار کروں گا، بس تم میرے پیچھے پیچھے آؤ۔

تو اگر یہ مسافر چالاک اور ہوشیار عقلمند اور حاضر دماغ اور سوجھ بوجھ والا ہو گا، تو پھر اپنا راستہ پہلے سے زیادہ اچھا اچھی طرح طے کریگا۔ اور اپنا پھر احتیاط رکھے گا اور اس دشمن کے اچانک حملے اور مقابلے کیلئے پوری طرح تیار رہے گا۔ اور اب اس کا سفر پہلے سے زیادہ مضبوط اور منظّم رہے گا۔ اور پہلے سے زیادہ جلد وہ منزل تک پہونچ جائے گا۔

لیکن اگر وہ دشمن سے غافل ہو گیا، اور پہلے ہی کی طرح لاپرواہ ہو کر چلنے لگا نہ کم کیا نہ زیادہ اور نہ کسی طرح کی تیاری کی، تو وہ پہلے جیسی مصیبت میں پھنسا تھا اسی طرح پھر پھنسے گا لیکن اگر اس نے اپنے سفر میں اپنی اختیار کا توازن باقی رکھا، اور اپنی سستی بھی باقی رکھا اور اپنے اچھے کھانے کی خوشبو کو سوچتا رہا اور اس باغ کی خوبصورتی کو یاد کرتا رہا یا یہ وہاں کے میٹھے پانی کو سوچتا رہا تو پھر اپنا سفر پہلے کی طرح نہیں کر سکے گا اور جو کچھ اس کے پاس ہو گا سب برباد ہو جائے گا۔

توبہ نصوح

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ یُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ یُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ“ (التحریم:۸)

اے ایمان والو خالص توبہ کرو اللہ کی طرف سچے دل سے ممکن ہے تمہارا رب تمہارے اوپر سے تمہاری برائیاں دور کر دے اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں“۔

توبہ نصوح کا مطلب یہ کہ وہ ہر نقص و کمی اور ہر عیب وفساد سے پاک ہو، حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا: توبہ نصوح کی تعریف یہ ہے کہ بندے کو اپنے ماضی پر ندامت ہو اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم وارادہ ہو، امام کلبیؒ نے فرمایا: توبہ نصوح یہ کہ زبان پر استغفار و توبہ ہو، دل میں احساس ندامت ہو اور اعضاء پر مکمل پابندی ہو، امام سعید بن مسیّبؒ نے فرمایا: توبہ نصوح یہ کہ اس کے ذریعہ نفسوں کو فہمائش ونصیحت کی جائے۔

امام ابن قیمؒ نے فرمایا کہ: توبہ نصوح تین چیزوں کو شامل اور متضمن ہوتی ہے:-

۱۔ توبہ نصوح کا تمام گناہوں کا گھیرے ہوئے اور ان پر حاوی ہونا بایں طور کہ کوئی گناہ اس کی گرفت سے باہر نہ ہو سکے۔

۲۔ عزم وارادہ کا متفقہ فیصلہ توبہ نصوح پر ہو جائے بایں طور کہ بندے کے نزدیک اس کے متعلق کسی بھی قسم کا تردد، ملامت اور نہ انتظار و خلجان کا شائبہ باقی رہے بلکہ عزم وہمت اور حوصلہ کے ساتھ اس کی طرف اقدام اور پیش قدمی ہو۔

۳۔ توبہ نصوح کا ان بیماریوں اور عیبوں سے پاک ہونا جو اس کے اخلاص وصدق کو مجروح کرنے کا ذریعہ ثابت ہوں، اور اس کے وقوع سے محض اللہ کی خشیت وخوف سے حفاظت اور اس کے ثواب اور سزا سے ترغیب اور ترہیب مقصود ہو، نہ کہ اس شخص کی طرح جو اپنی ضرورت، اپنی عزت، اپنے منصب اور اپنی ریاست کو بچانے کی خاطر توبہ کرے، اور نہ اس کی طرح جو اپنی قوت، اپنے مال، یا لوگوں سے مدح وتعریف چاہنے یا ان کی مذمتوں سے راہ فرار اختیار کرنے کیلئے توبہ کا طریقہ اختیار کرے، یا اس لئے تاکہ اس پر بیوقوفوں کا تسلط واقتدار نہ ہو جائے۔ یا اپنی دنیاوی ضرورت کو پورا کرنے یا اپنی مفلسی وعاجزی کی وجہ سے توبہ کرے اور اسی طرح بہت سی بیماریاں اور عیوب ہیں جو اس کے اخلاص اور صحت اور صدق فی اللہ تعالیٰ کو مجروح اور داغ دار کر دیتی ہیں۔

پہلی بات جس چیز سے توبہ کرتے ہیں اس سے متعلق ہوتی ہے، اور دوسری تائب کی ذات سے متعلق ہوتی ہے، اور تیسری جس کی طرف توبہ کرتے ہیں اس سے متعلق ہوتی ہے، توبہ نصوح کیلئے صدق، اخلاص اور تمام معاصی کو ترک ناگزیر ہوتا ہے، اس کے لئے استغفار بھی بہت ضروری ہے، یہ توبہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ اور یہ سب سے افضل اور کامل ترین توبہ ہے۔

بندے کی توبہ سے پہلے اور اس کے بعد اس کی توبہ اللہ تعالیٰ کی توبہ (یعنی متوجہ ہونے) سے گھری ہوئی ہے، یا اس طرح کہا جائے کہ بندے کی توبہ اپنے رب کی پہلی اور آخری دو توبوں کے درمیان ہے، کیونکہ بندے کے توبہ کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اس پر متوجہ ہوتے ہیں۔

پہلی مرتبہ اجازت توفیق اور الہام ہوتا ہے، تو بندہ توبہ کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ دوبارہ

اس پر متوجہ ہوتے ہیں۔

دوسری مرتبہ: قبولیت اور جزا و ثواب ہوتا ہے، اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے فرمانے کی وجہ سے ہے:-

"وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ" (التوبة: ۱۱۸)

اور تین شخصوں کے حال پر بھی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑدیا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگ ہونے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آگئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے پھر ان کے حال پر توجہ فرمائی تاکہ وہ رجوع کریں بیشک اللہ تعالیٰ بہت توجہ فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت شریفہ میں اس بات کو بتلایا ہے کہ اس کی توبہ (مہربانی) ان لوگوں کی توبہ سے پہلے واقع ہوئی ہے۔ اور اللہ ہی کی مہربانی سے انہیں توبہ کی توفیق ملی اور یہ بات ان کے لئے توبہ کرنے کا ایک طبعی سبب بن گیا۔ اور یہ بات اس کے دو اسموں "الاول والآخر" کے سربستہ رازوں میں سے ہے۔ وہی ذات سب کچھ کرنے والی اور مدد وامداد کرنے والی ہے، اور اسی سے سبب بھی ہے اور مسبب بھی اور بندہ تواب ہے اور اللہ بھی تواب ہے، بندے کی توبہ کا مطلب یہ کہ اس کے راہ فرار اختیار کرنے کے بعد اپنے مالک کی طرف لوٹ کر واپس آنا ہے، اور اللہ کی توبہ کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم اللہ کی اجازت اور توفیق ہے، اور دوسری قسم اس کا قبول اور امداد کرنا ہے۔

توبہ کیلئے آغاز اور ابتدا بھی ہے اور اس کے لئے غایت وانتہا بھی، توبہ کی ابتدا یہ کہ بندہ صحیح ودرست راستہ پر گامزن ہو کر اللہ کے حکم کی طرف رجوع اختیار کر لے جس پر چلنے کا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حکم فرمایا ہے:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْماً فَاتَّبِعُوْهُ وَلَاتَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (الانعام: ۱۵۳) "اور حکم کیا کہ یہ راہ ہے میری سیدھی سو اس پر چلو اور مت چلو اور رستوں پر کہ وہ تم کو جدا کردیں اللہ کے راستہ سے یہ حکم تم کو دیا ہے تاکہ تم بچتے رہو"۔

اور توبہ کی انتہا اور غایت یہ کہ آخرت میں اللہ کی طرف سب کو لوٹنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کیلئے جنت کا جو راستہ متعین فرمایا ہے اس کی طرف پہنچنا ہے اور جس نے دنیا میں توبہ کا راستہ اختیار کر کے اس کی طرف رجوع اختیار کیا، تو آخرت میں اللہ تعالیٰ کے اجر وثواب سے فیضیاب اور مالا مال ہوگا، اللہ عزوجل نے فرمایا:

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَاباً (الفرقان: ۷۱) "اور جو کوئی توبہ کرے اور نیک کام کرے سو وہی اللہ کی طرف حقیقی توبہ کرنے والا ہے"۔

توبہ کے اسرار اور اس کی باریکیاں

یہ جاننا چاہئے کہ جب کسی عقلمند آدمی سے کوئی غلطی اور گناہ صادر ہو تو اس کو مندرجہ ذیل امور پر غور کرنا چاہئے:

ان میں سے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے امر اور نہی کو خوب غور کرے اور یہ غور کرنے اور سوچنے سے اسے اپنی غلطی اور گناہ کا اعتراف ہوگا دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے وعدو

وعید کے متعلق غور کرے اس سے اس کے اندر خوف الٰہی پیدا ہوگا جو اسے توبہ پر آمادہ کرنے کا ذریعہ ثابت ہوگا۔

تیسرا یہ کہ اللہ کے اس پر اس کو قابو دینے، اس کے درمیان چھوڑ دینے اور اس کو اس پر قدرت دینے کے متعلق غور کرے اور یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس سے گناہ بھی سرزد نہ ہوتا تو اس سے اس کے اندر اللہ اور اس کے اسماء و صفات، اس کی حکمت رحمت، اس کی بردباری اور اس کی عزت و بزرگی کی معرفت کی اقسام وانواع پیدا ہوں گی اور یہ چیز اس کے لئے اللہ کے اسماء کی بندگی کو متقاضی اور موجب ہوگی جو بغیر اس کی لوازم اور ضروریات کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اللہ کے خلق اور امر اور وعید کی وابستگی کو اس کے اسماء اور صفات کے ساتھ جاننے کی کوشش کرے اور یہ طریقہ غور وفکر کائنات میں اسماء و صفات اور اس کے اثرات کو ایک ضروری چیز قرار دے گا، اور یہ مشاہدہ اس کو ایک ایسے دبستان سے متعارف اور واقف کرائے گا جو علم وایمان اور تقدیر اور حکمت کا سنگم ہوگا۔ اور زبان اس کی حکمت بیان کرنے میں تنگ ہے۔

ان میں سے یہ کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے اندر اس کی قوت اور مضبوطی کو پہچاننے کی کوشش کرے اور وہ یہ ہے کہ وہی سبحانہ العزیز ہے جو اپنے کمال قوت اور مضبوطی سے جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے، اور بندے پر اپنے حکم اور فیصلہ کا نفاذ کرتا ہے بایں طور کہ اس کے دل اور ارادہ کو جس طرح چاہتا ہے پھیر دیتا ہے اور بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل رہتا ہے۔

اس کے فیصلہ کے اندر اس کی قوت وطاقت کے معرفت میں سے یہ کہ وہ جانے کہ وہ مغلوب اور مجبور ہے، اس کی پیشانی اس کے غیر کے قبضہ میں ہے کوئی حفاظت اور

بچاؤ اس کی حفاظت کے سوا نہیں ہے، ہر مدد وامداد اسی کی توفیق سے میسر ہوتی ہے، وہ ایک زبردست اور ستودہ تعریف کے قبضہ میں انتہائی ذلیل اور حقیر ہے، نیز اس کے فیصلہ میں اس کی قوت کے مشاہدہ میں سے یہ کہ تمام کمال، ساری تعریف وعزت کو اللہ کیلئے دیکھے، اور یہ کہ بندہ بذات خود تمام کوتاہی عیب، ظلم، ضرورت وحاجت کا زیادہ مستحق اور سزاوار ہے، اور جس قدر بندہ کے اندر اپنی ذلت، کوتاہی، عیب اور ضرورت مندی کا مشاہدہ ترقی کرے گا اسی قدر اس میں اللہ کی عزت، اس کے اجلال وکمال اور اس کی بے نیازی کا مشاہدہ ترقی پائے گا۔

ان میں سے ایک یہ کہ ارتکاب معصیت کے وقت اللہ کی ستر پوشی کرنے کی بھلائی کو جانے باوجودیکہ وہ اس کو کمال درجہ کے ساتھ دیکھ رہا ہے، اگر اللہ چاہے تو اسے تمام لوگوں کے سامنے ذلیل ورسوا کر سکتا ہے، اور انہی میں سے گناہ گار کو مہلت دینے کے سلسلہ میں اس کے حلم وبردباری کا مشاہدہ کرتا ہے، اگر وہ چاہے تو اسی وقت اسے سزا وعذاب دے سکتا ہے، اس سے اس کے اندر اللہ عزوجل کے اسم مبارک، حلیم کی معرفت وآشنائی پیدا ہوگی۔

ان ہی میں سے اللہ کی معرفت کے سلسلہ میں اس کے فضل کی معرفت ہے، کیونکہ اس کی مغفرت سراپا اس کا فضل واحسان ہے، ورنہ اگر وہ صرف اپنے حق کی بنیاد پر تم کو پکڑے اور محاسبہ کرے تو وہ ایک عادل محمود ہوگا، لیکن اس کا عفو ومعافی تو اس کے فضل کی بنیاد پر ہوتا ہے نہ کہ تمہارے استحقاق کی بنیاد پر، پس اس کے اسم مبارک "غفار" سے بندے کیلئے اس کا شکر، اس سے محبت، اس کی طرف انابت اور اس کی معرفت واجب اور ضروری ہوتی ہے۔

ان ہی میں سے اللہ کے بندے کیلئے تذلل، تواضع انکساری اور ضرورت مندی کے مراتب کا مکمل ہو جاتا ہے اور یہ مراتب چار ہیں، جو حسب ذیل درج ہیں۔

پہلا مرتبہ: — حاجت اور ضرورت کی ذلت، اور یہ مرتبہ عام طور پر تمام لوگوں میں موجود ہے۔

دوسرا مرتبہ — عبادت اور بندگی کی ذلت، یہ مرتبہ ارباب عبادت کیلئے خاص ہے۔

تیسرا مرتبہ: — محبت کی ذلت، محبت کرنے والا ذلیل بالذات ہوتا ہے اور اس کی محبت کے اعتبار سے اس کی ذلت ہوتی ہے۔

چوتھا مرتبہ: — معصیت اور جرم کی ذلت: اس کی حقیقت فقر و ضرورت ہے اور جب یہ چاروں مراتب جمع ہو جائیں تو اللہ کیلئے اس کی ذلت اور تواضع تکمیل و کمال کو پہنچ گئیں۔

اور ان ہی میں سے اسم مبارک، ”رزاق“ ہے جو مرزوق، (یعنی جس کو رزق دیا جائے) کا مقتضی ہے، اور سمیع و بصیر ہیں جو مسموع اور مبصر کے مقتضی ہیں، اور اسی طرح اس کے اسماء مبارک غفور، عفو، تواب ہیں، اور یہ کسی کی مغفرت کرنے، توبہ قبول کرنے اور معاف کرنے کے متقاضی ہیں، اور ان اسماء کو معطل (بیکار از عمل) قرار دینا محال اور ناممکن ہے۔

اسی طرح ساری مخلوق میں سب سے بڑے عالم جناب آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: فرماتے ہیں۔

'لولم تذنبوا لذهب الله بكم ولجاء بقوم يذنبون ثم يستغفرون ”اگر تم لوگ گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں ختم کر کے ایسی قوم کو پیدا فرمائے جو گناہ کرے

فیغفرلھم". (مسلم فی الذکر والدعا) پھر اپنے گناہوں کی معافی طلب کرے اور اللہ اس کی مغفرت فرمائے"۔

اسرار توبہ میں سے یہ ہے کہ جو صحیحین میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کی توبہ سے اس مسافر آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے، (جو اثنائے سفر میں) کسی ایسی غیر آباد اور سنسان زمین پر اتر گیا ہو جو سامان حیات سے خالی اور اسباب ہلاکت سے بھرپور ہو اور اس کے ساتھ بس اس کی سواری اونٹنی ہو اسی پر اس کے کھانے پینے کا سامان ہو، پھر وہ آرام لینے کیلئے سر رکھ کر لیٹ جائے پھر اسے نیند آجائے پھر اس کی آنکھ کھلے تو دیکھے کہ اس کی اونٹنی (پورے سامان سمیت) غائب ہے پھر وہ اس کی تلاش میں نکلے پھر وہ اسی ارادہ سے وہاں آکر اپنے بازو پر سر رکھ کر لیٹ جائے اس حال میں کہ وہ اپنی اونٹنی سے مایوس ہو چکا ہو پھر اس کی آنکھ کھلے تو وہ دیکھے اس کی اونٹنی اسکے پاس موجود ہے تو وہ اس کے لگام کو پکڑے اور مارے خوشی کے کہے کہ اے اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں تو جتنا خوش یہ مسافر اپنی اونٹنی کے ملنے سے ہوگا خدا کی قسم مومن بندے کی توبہ سے اللہ اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔ (مسلم)

تمہارا اپنے اس محبوب کے متعلق کیا گمان اور خیال ہوگا جس سے تم کو بہت محبت و تعلق ہو، لیکن وہ تمہارے کسی دشمن کے یہاں قیدی ہو گیا ہو، اور اس کے اور تمہارے درمیان دوری ہو گئی ہو، اور یہ بات تمہارے علم میں بھی ہو کہ وہ تمہارے دشمن سے سخت ترین سزا و عذاب سے دوچار ہوتا ہوگا اور قسم قسم کی ہلاکت آمیز

چیزوں سے گزرتا ہوگا، اوراس کے تم مستحق وسزاوار بھی ہو کیونکہ وہ تمہارے ہاتھوں کے لگایا ہوا پودا اور تمہارا تربیت یافتہ ہے، لیکن بغیر کسی سابق اطلاع وخبر کے اچانک تمہارے دروازہ پر پہنچ کر اپنے رخسار کو تمہارے چوکھٹ کی مٹی سے ملتا اور رگڑتا ہے، اور ہزار طرح سے تم کو خوش اور راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے اب بتاؤ تمہاری خوشی ومسرت کا کیا حال ہوگا، اور اس کو تم اپنا مخصوص بنالوگے، اور دوسروں پر اسے ترجیح دے کر اپنی قربت ونزدیکی سے نوازوگے۔ اور یہ حال اس شخص کا ہے جس کو تم نے وجود نہیں بخشا اور نہ پیدا کیا اور نہ اپنی نعمتوں کو اس پر تمام کیا، لیکن اللہ عزوجل وہ ہستی ہے جس نے اپنے بندے کو وجود بخشا اور اسے پیدا کیا، اور اپنی نعمتوں کو اس پر تمام کیا، اور وہ چاہتا ہے کہ ان نعمتوں کو اس کے اوپر تمام اور پوری کرے۔

اور آخر میں ہم سب سے امید کرتے ہیں کہ ہمارے اندر صدق واخلاص اور یقین پیدا ہونے اور آخرت اور دنیا میں عفو وعافیت کیلئے اپنی دعاؤں میں فراموش نہ فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے سربستہ ہم سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں میں داخل فرمالیجئے جن کی آخری یہ دعا تھی۔

الحمد لله رب العالمين سبحانك اللهم ربنا وبحمدك شهد ان لااله الاأنت استغفرك واتوب اليك.



MAKTABA
AL-DARUSSALAFIAH
6/8-HAZRAT TERRACE, SK. HAFIZUDDIN MARG,
BOMBAY - 400 008 (INDIA)
TEL:308 27 37/ 308 89 89, FAX: 306 57 10

Rs. 50/-